# رات،اندھیرااور جگنواز عالیہ حرا

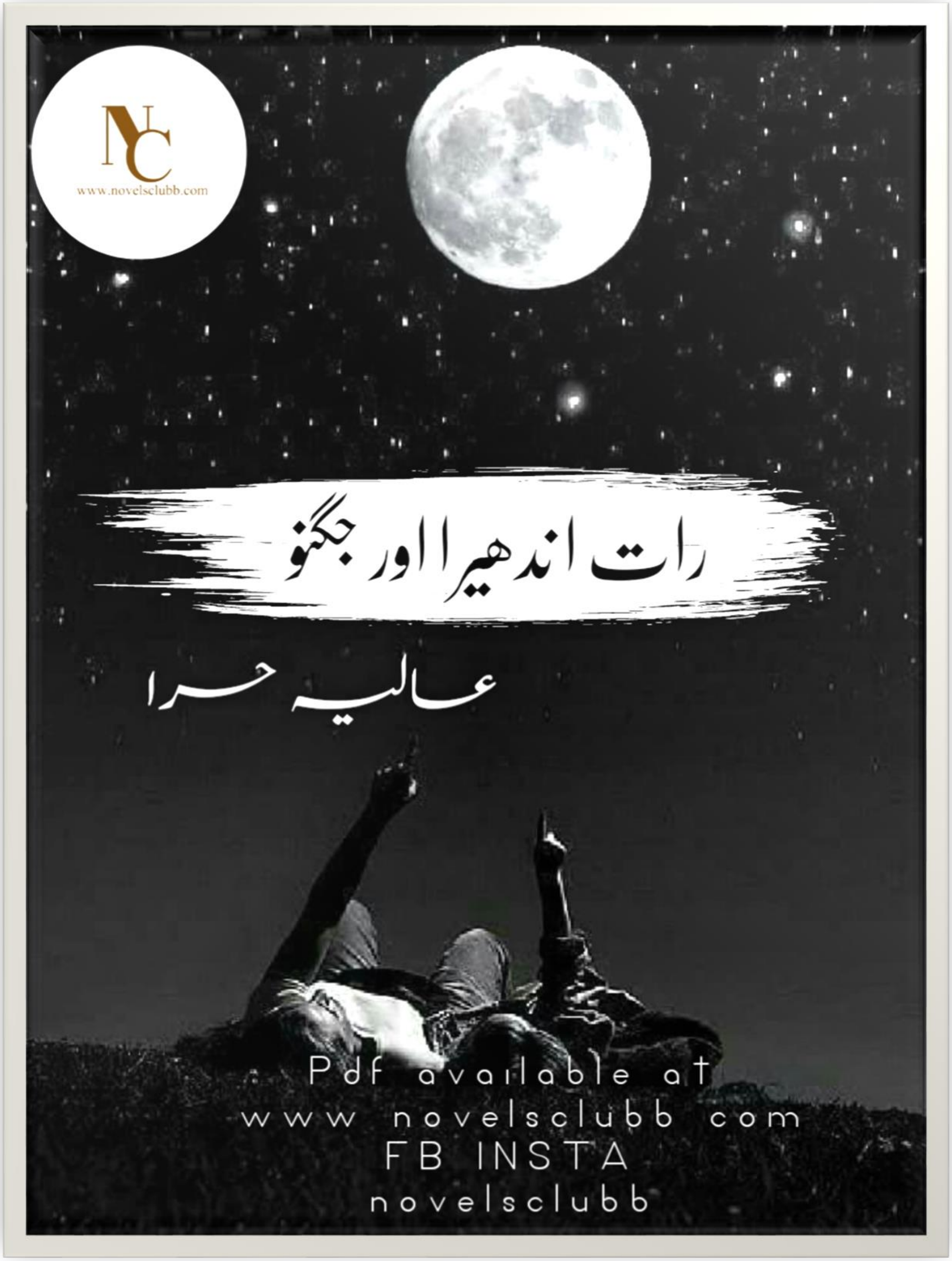

# السلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

# رات، اندھیرا اور جگنو

از

عالیہ حرا

www.novelsclubb.com

WWW.NOVELSCLUBB.COM



KSK Novels

عالیہ حرا

# رات، اندھیرے، جگنو

digest novels lovers group ❤️❤️

اُس نے آخری نگاہ اُس بے ہوش خوابیدہ وجود پر ڈالی۔ بال بکھر چکے تھے۔ دوپٹا آدھا اوپر آدھا بیڈ سے نیچے تھا۔ منتشر حلیہ۔ سراسیمگی کی کیفیت اُس کے چہرے پر منجمد ہوگئی تھی۔ آذر اور وسیع سامان سمیٹ کر آگئے۔

"کام ہوگیا؟" اس نے دونوں کی جانب دیکھا۔ پستول ہنوز ہاتھ میں تھا۔ اُسے دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔

"ہاں۔" دونوں نے جواب دیا۔

"لیکن ایک کام تو رہ گیا۔" آذر نے شرارت بھرے انداز میں اُس کی جانب دیکھا۔ بے اختیار بیگ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرکے بیڈ کی جانب بڑھا۔

دوسرے لمحے وہ ایک ہاتھ تکیے پر بکھرے اُس کے بالوں پر رکھ کر جھک رہا تھا۔

"آذر!" رضا غرّایا۔ اور بڑھ کر جھٹکے سے اُسے دُور کر دیا۔

"یہ فاؤل ہے۔ جو ہمارا کام ہے وہ کرو اور چلو۔ ہمارے مشن میں یہ سب شامل نہیں ہے۔"

"لیکن میں ہر چیز اس مشن کا حصّہ سمجھتا ہوں اور تم روکنے والے کون ہوشاہو۔" آذر نے سُرخ آنکھوں سے گھورا۔

"تم لوگ کیا لڑنے بیٹھ گئے ہو۔ یہ وقت نہیں ہے ان باتوں کا، چلو۔ وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔" وسیع نے رضا کو آگے کیا۔

"چلو تم بھی!" آذر کو بھی اُس نے کھینچا۔

"میں اپنا کام کرلوں۔ ہر چیز لوٹی ہے، ایک یہ بھی سہی۔" آذر باز آنے کے موڈ میں نہ تھا۔ وہ ایک بار پھر اس پر جھکا۔

"خبردار!" رضا نے پوری طاقت سے اُس کو کھینچا اور آگے کی جانب دھکیل دیا۔ "تم لوگ اس وقت میرے انڈر میں ہو اور میں ایسی کوئی کارروائی برداشت نہیں کرتا۔ اس بات کا اندازہ ہے تم لوگوں کو۔"

رضا کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ کم اس وقت آذر بھی نہیں تھا۔

"تیری بہن ہے جو برداشت نہیں ہو رہا۔ اس حمام میں سب ننگے ہیں۔"

دونوں ایک دوسرے کو خون آلود نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایک دوسرے کو ابھی کھا جائیں گے۔ خون سے پیاس بجھائیں گے۔

ناولٹ

"مر جاؤ تم لوگ۔ ایک دوسرے کو شکار کرتے کرتے۔ میں جا رہا ہوں۔" وسیع بیگ سنبھالتا باہر نکل گیا۔ ایک لمحے کو دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر آذر نے بھی تقلید کی۔ آخری الوداعی نگاہ اس پر ڈالی۔ پورا وجود بیڈ پر بکھرا ہوا تھا۔ لمحہ لمحہ آنکھوں کی پتلیوں پر ٹھہر گیا۔

وہ ایک دم سے گھوما اور باہر نکل گیا۔
کمرے کا جامد سناٹا مزید خوفناک ہو گیا۔

---

"استاد! میں کہہ رہا ہوں، اس کو سنبھالو۔ خوامخواہ اپنی وضع داریاں نبھانے لگتا ہے۔ اتنا شریف ہے تو کیوں اس کام میں ہاتھ ڈالا تھا۔" آذر نے استاد دلاور سے شکایت لگا دی۔

"استاد! میں بے اصول برداشت نہیں کر سکتا۔"

"استاد میں اس کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔"

دونوں نے اپنا اپنا موقف کہہ ڈالا۔

"آذر! تم خود کو بدلو۔ بے شک ہم لوٹ مار کرتے ہیں مگر ہمارے بھی کچھ اصول ہیں، جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے آئندہ احتیاط کرنا۔" دلاور نے اسے تنبیہ کی لیکن آذر اکڑا کھڑا رہا۔

"یہ اتنا ہی شریف ہے تو ہمارے ساتھ یہ کام کیوں کرتا ہے۔ ہم تو۔"

"استاد! میں چلتا ہوں۔"

"اب کہاں چلتا ہے۔" رضا، آذر کی بات کو نظر انداز کرتا کھڑا ہو گیا۔

"یہ تمہاری تنخواہ ہے باقی بینک میں جمع کر دا دوں گا۔" دلاور نے سفید مہر بند لفافہ اس کی جانب بڑھایا۔ یہ ان کا طریقہ کار تھا۔

"ڈبل زیرو دوبارہ کال کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے استاد!" رضا باہر نکل گیا۔

"ناراض ہو گیا؟" آذر کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر دلاور نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"استاد تم بھی اسی کی سائیڈ لینا۔ میں تو بک رہا تھا ناں۔"

"کہتا وہ صحیح تھا آذر! ہمارا جو کام ہے، وہ ہی کرنا چاہیے۔ تجھے کیوں ہر چیز پر منہ مارنے کی عادت ہے۔"

"استاد! وہ تھی ہی ایسی چیز!" آنکھیں بند کر کے وہ مسکرایا۔

"اوہ اچھا۔ پھر تو ایسی چیزوں پر ہمارا بھی حق ہے۔" وہ ذومعنی انداز میں مسکرایا۔

"چھوڑ استاد! اب تو سب کچھ ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ بڑا جا کر جیسے دل کمائی ہے سالی فوراً پہچان لے گی۔"

"ڈرتا بھی ہے اور رکتا بھی ہے۔ ایک کھیل کھیل باقی سب ہے۔"

"بہر حال میں نے کہہ دیا ہے کہ آئندہ میں اس شریف زادے کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"ٹھیک ہے تیری جگہ میں عاصم کو بھیج دوں گا مگر وہ فی الحال اپنی بہن کی شادی میں مصروف ہے جب تک تو تجھے ہی جانا ہو گا۔"

استاد نے شانے پر دباؤ ڈال کر اسے سمجھایا۔

"استاد!" آذر نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔

"دراصل اس کا دماغ بہت اچھا ہے۔ ہر چیز کو سمجھ جاتا ہے اور جو زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے وہ زیادہ بہتر انداز سے کام کرتا ہے۔ اس لیے۔"

"ٹھیک ہے میں پھر چھٹی پر چلا جاتا ہوں۔ اس کے ساتھ تو بالکل بھی نہیں۔" آذر اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے اس بارے میں بعد میں سوچیں گے یہ لے اور جا تیرا حصہ بھی بینک میں پہنچ جائے گا۔" لفافہ اس نے گھسیٹنے کے انداز میں پکڑا اور کھڑا ہو گیا۔

"میں چلتا ہوں۔ اب عاصم کے ساتھ ہی واپس آؤں گا۔"

دلاور ادھر ہی چارپائی پر لیٹ گیا۔
آج کے واقعے نے اسے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

رضا کا موقف درست تھا۔ آذر بھی ڈٹا ہوا تھا۔
ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتی تھیں۔

ان کا گروپ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔ جب یہ گروپ بنا۔ سب کی اپنی اپنی مجبوریاں تھیں۔ وسائل محدود تھے۔ کیا کیا جاتا ہاتھ پر ہاتھ دھرے رکھنے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ گروپ دلاور نے بنایا تھا۔

دلاور بلوچستان کا رہنے والا تھا۔ اُس کی زمینیں اس کے باپ نے رہن رکھوادی تھیں اور ان پر آزادی سے کام کرنے کے لیے انہیں آزاد کروانا ضروری تھا۔ آزاد کروانے کے لیے روپیہ چاہیے تھا اور روپیہ لاکھوں میں تھا۔ جو سود کے ساتھ واپس کرنا تھا۔ باپ مر چکا تھا۔ ورنہ گریبان میں ہاتھ ڈال کر پوچھتا۔ ابا تو نے یہ کیا کیا۔ جو ماں ہمیں کھلاتی ہے۔ تو نے اسی کو رہن رکھ دیا۔ مگر باپ یہ سوال سننے سے پہلے ہی آخری گولی کا نشانہ بن کر ٹھنڈا ہو گیا۔ بیٹے کی جوانی سر اُبھار رہی تھی۔ خون گرم تھا۔ پہلے زمین چھڑانی چاہی حساب کتاب لاکھوں کا بنا۔

دو بھائی، ایک بہن تھی۔ ماں اور بہن دونوں سرسوں پھٹتی تھیں۔

سردار نے زمین چھڑائی کی بہت بڑی قیمت لگائی تھی۔ جو اس کی غیرت پر تازیانہ بن کر لگی۔ وہ کہتا تھا اپنی جوان خوبصورت بیٹی دے جاؤ اور زمینیں لے جاؤ۔ پٹھان خون اتنا بے غیرت نہیں تھا۔ دل چاہا تھا اُسے گریبان سے پکڑے اور زمین پر زندہ دفن کر دے۔

ماں کا زیور بیچ کر بھی قرضہ نہ اُتر سکتا تھا۔

"اماں! ابا نے زمین کیوں رہن رکھ دی تھی؟"

دلاور اکثر تلخ ہو جاتا۔

"جواری تھا تیرا باپ اس لیے رکھ دی تھی۔"

اماں بھی اذیت کے دن نہ بھولتی تھی۔

اور وہ چپکا ہو رہتا۔ چھوٹا بھائی کالج میں پڑھ رہا تھا۔ سردار کی نیت دیکھتے ہوئے اس نے بلوشہ کی شادی جلدی سے چچا کے بیٹے سے کر دی۔

ایک بوجھ سر سے اُترا تو دوسرا بوجھ اتا رنے شہر آگیا۔ محنت مزدوری کر کے کچھ جمع کر لیتا مگر کراچی شہر کی تیزی سے بڑھتی آبادی۔ کمر توڑ مہنگائی میں یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کچھ جمع ہو سکے اور وہ بھی عزت سے۔

بی اے پاس کو افسری نہیں مل سکتی تھی۔ کلرکی میں گزارا نہیں تھا۔ اس لیے اس نے دوسرا راستہ نکالا جو شارٹ کٹ بھی کہلاتا ہے۔ ایسے کاموں کے لیے ایسے ہی شارٹ کٹ استعمال کیے جاتے ہیں۔ لیکن وہ اس راستے پر اکیلا نہیں چل سکتا تھا۔ کچھ معاون و مددگار ساتھی درکار تھے۔ یہ ساتھی ڈھونڈنے میں اُسے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا۔

سب سے پہلے اُس سے وسیع ٹکرایا۔ جس پر آٹھ بہنوں کا بوجھ تھا۔ اور سب شادی کے قابل تھیں۔ باپ تھا نہیں سر پر۔

نوکری تھی تو لیکن اتنی نہیں تھی کہ بہنوں کی شادیاں تمام لوازمات کے ساتھ کر سکتا۔ یوں اس نے پارٹ ٹائم میں دلاور کی چاکری شروع کر دی۔

آذر اسے نیٹی جیٹی کے پل کے پاس سے ملا۔

پھر انہیں عاصم ملا۔ وہ بھی مجبور تھا۔ حالات کا قیدی۔ اس گروہ میں شمولیت پر اسے کوئی اعتراض نہ تھا۔ مجبوریوں کا پیٹ ایسے ہی بھرا جا سکتا تھا۔

اس کے بعد انہیں قاسم ملا اور سب سے آخر میں رضا۔ جو دلاور کو ملا۔

رضا کا مزاج ان سب سے مختلف تھا۔ وہ اپنی بے روزگاری، معاشرے کی ناانصافیوں۔ اپنی مجبوریوں سے تنہا نبرد آزما ــــ رہنا چاہتا تھا۔

لیکن باپ کا گٹھیا کا علاج، ماں کا جوڑوں کا درد، آپی کے سر کی چاندی، باجی فاطمہ کا اُترا ہوا چہرا اور عائشہ کا بڑھتا ہوا قد اور طاہرہ کی فرمائش اس کی تنہا ذات۔ کب تک صبر و برداشت کے ساتھ ہمت سے مقابلہ کرتا۔

اور اس سے پہلے کہ تھک کر گر جاتا۔ اسے دلاور مل گیا۔ اس وقت اُسے فرشتہ رحمت ہی لگا تھا۔

وسیع، آذر، عاصم، قاسم تو اس کے متعلق سوچتے بھی نہیں تھے۔ وہ یہ سب معاشرے سے اپنا حق سمجھ کر وصول کر رہے تھے۔

لیکن رضا کچھ اور ماحول کا تھا۔

اُسے حرام و حلال کی کشمکش ستاتی رہتی۔ اُس کے اندر کا نیک انسان ابھی زندہ تھا۔

ان سب میں ایک بات مشترک تھی، وہ سب پڑھے لکھے سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان تھے، لیکن ساتھ ہی ان کے ہاتھ مجبوریوں سے بندھے ہوئے تھے۔

مجبوری کی ہتھکڑی آہنی مضبوط ہوتی ہے کہ جب تک خود سے نہ کھلے کھولی ہی نہیں جا سکتی۔

رضا کے اندر کا نیک انسان اُسے اکثر سرزنش کرتا رہتا تھا اور وہ بغور سنتا رہتا تھا اور اُسے گاہے بگاہے تسلی و تشفی دیتا رہتا تھا۔

یہ ہی وجہ تھی کہ وہ صرف سامان و زیورات کی لوٹ مار کا حامی تھا۔ کمزور سے لڑکیوں کو وہ ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا اور نہ اپنے ساتھ گئے ساتھیوں کو اس بات کی اجازت دیتا تھا۔ جبکہ آذر بہت بُری فطرت کا مالک تھا۔ اُس کی نہ صرف کئی لڑکیوں سے دوستی تھی۔ فون پر بے وقوف بناتا تھا بلکہ کئی لڑکیوں سے بیک وقت فلرٹ کر رہا تھا۔ اُس پر زیادہ ذمے داری نہیں تھی۔

سارے فرض باپ اور بڑے بھائیوں نے ادا کر دیے تھے۔

اب وہ اپنا فرض ادا کر رہا تھا۔ اور خوب عیش کر رہا تھا۔

دن کہیں گزرتا اور رات کہیں۔ صبح آنکھ کہیں کھلتی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر چیز اب بغیر طلب کے ملنے لگی تھی۔ سامان و زیورات کے ساتھ ساتھ انسانی زندگیوں پر بھی اپنا بجر پور حق سمجھتا تھا۔

اسی بنا پر اُس کی رضا کے ساتھ بالکل نہیں بنتی تھی۔

آذر اندر ہی اندر نہ صرف اُس سے خائف تھا بلکہ بدلہ لینے کے لیے پلان بنا رہا تھا۔

---

رضا تھکا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ کسی مشن سے واپسی پر اُس کی یہ ہی حالت ہوتی تھی۔ سینے پر منوں بوجھ پڑ جاتا تھا۔ گھر میں اُس نے یہی بتایا ہوا تھا کہ اچھی نوکری مل گئی ہے۔

"امی! ابو کو دوا کھلا دی تھی؟" گھر میں داخل ہوتے ہی معمول کے مطابق پہلا سوال کیا۔

"ہاں بیٹا! کھلا دی تھی۔"

"اور آپ نے کھائی؟"

"رضا! میں نے کھلا دی تھی۔" فاطمہ باجی نے اندر سے آواز لگائی۔

"چل بیٹا! منہ ہاتھ دھولے۔ چلو عائشہ! دسترخوان لگاؤ۔"

"اچھا امی!" کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں طاہرہ کے ساتھ دسترخوان لگانے لگی۔

"ابو! کیسی طبیعت ہے اب؟" وہ اُن کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"اب تو بہت بہتر ہے بیٹا! بس درد جان نہیں چھوڑتا۔"

"دعا کریں۔ ساتھ ساتھ دوائی پابندی سے کھائیں۔ انشاء اللہ درد بھی رفع ہو جائے گا۔" اس نے دھیرے سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے امی؟"

"میری طبیعت تو بیٹا بالکل ٹھیک ہے۔ اپنے بیٹے کی شکل دیکھ کر میری سب تکلیفیں بھاگ جاتی ہیں۔ اللہ تجھے صحت دے، زندگی دے۔ لمبی عمر دے خوشیاں دے۔"

اِن کے دل سے دُعا نکلتی۔ رضا کے دل میں ہول اُٹھنے لگتے۔

"بس امی! اسی طرح سے دُعا کرتی رہا کریں۔ اولاد کو ماں کی دعاؤں کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔" وہ جلدی سے اُٹھ گیا۔

"چل بیٹا! منہ ہاتھ دھولے۔ آج تیری پسند کی چیز بنائی ہے۔ کریلے قیمہ۔"

"اچھا!" وہ ساری فکریں ذہن سے جھٹکتا باہر کی جانب چلا گیا۔

اماں بہت محبت سے اُسے بہت دُور تک دیکھتی رہیں۔

جیسے ہی اُس نے آنکھیں بند کیں۔ ساتھ ہی وہ ڈری سہمی، خوفناک حد تک دہشت زدہ آنکھوں والی لڑکی در آئی۔

اُس کی دہشت زدہ سی چیخ، زرد چہرا، آذر کا وار اُس کے سر پر مار رہا تھا۔ بے اختیار وہ بیڈ پر بکھرتی

چلی گئی۔

آدھا دوپٹا بیڈ پر آدھا اس کے اوپر۔ بازو لٹک گیا تھا۔ خون کی پتلی سی لکیر پیشانی سے نکل کر بالوں میں جذب ہو رہی تھی۔

پلکیں اب بھی خوف سے لرز رہی تھیں۔

رضا نے جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔ یہ کیا۔ وہ اُٹھا اور پانی کا بھرا ہوا گلاس غٹاغٹ پی گیا۔ گھنے سیاہ بالوں میں دونوں ہاتھوں سے انگلیاں پھیرتے ہوئے جھٹکا دیا۔ اس سے پہلے تو کبھی ایسے نہیں ہوا۔

اس نے کھڑکیوں سے پردے ہٹا دیے۔ سامنے میدان تھا۔ چاندنی رات کا فسوں بکھرا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا نے اُسے چھو لیا۔ گہرا سانس لے کر اُس نے خود کو نارمل کیا۔

"اس سے پہلے تو کبھی ایسے نہیں ہوا!" اس نے خود سے سوال کیا۔

"اس سے پہلے کبھی کوئی لڑکی ملی بھی تو نہیں ہے۔ اس سے پہلے تمام گھر خالی ہی ملا کرتے تھے۔ بھری ہوئی تجوریوں کے ساتھ۔

اطلاع دینے والے نے بتایا تھا۔ گھر میں کوئی فرد موجود نہیں۔ جب کوئی فرد موجود نہیں تھا تو پھر وہ لڑکی کہاں سے آ گئی۔ کیوں آ گئی۔ کیوں اکیلی تنہا رک گئی۔ لڑکیوں کو کبھی بھی اکیلے نہیں رُکنا چاہیے۔ خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو جائے۔ کوئی اندوہناک سانحہ ہو جائے تو کیا کریں گی۔ اگر وہ موجود نہ ہوتا تو ــــ آذر تو کھیل کھیل جاتا۔

اس کے بعد اسے نیند ہی نہ آئی۔ صبح بھی جلدی آنکھ کھل گئی۔

"امی! کیا ہوا ریحانہ آپی کے رشتے کا؟" اپنے ذاتی کاموں سے فارغ ہو کر وہ امی، ابو کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے تو کچھ اچھے لگ نہیں لگے۔ ریحانہ سے زیادہ عائشہ میں دلچسپی لے رہے تھے۔ پھر کچھ لالچی قسم کے بھی تھے۔"

"ہوں۔ پھر آپ نے خالہ زیتون سے بات کی؟"

اسے دونوں بڑی بہنوں کی جانب سے فکر تھی۔ باپ علیل تھا۔ اب اسے ہی سوچنا تھا۔

"ہاں انہوں نے کل ایک اور رشتے کے بارے میں بتایا ہے۔ لڑکا بینک میں ہے۔"

"ہوں!" رضا کچھ سوچنے لگا۔

"امی! آپ فکر نہ کریں۔ مجھے کمپنی کی جانب سے لون بھی مل سکتا ہے۔ بس آپ جلد از جلد ریحانہ آپی اور فاطمہ کے لیے رشتہ تلاش کریں۔ تین چار رشتہ کرانے والی عورتوں سے کہیں۔ اڑوس پڑوس میں بات کریں۔"

"میں خود بھی فکر مند ہوں۔ بیمار ہوں پھر بھی باہر نکل ہی جاتی ہوں شاید کام بن جائے۔" اُن کے لہجے میں بھی فکر تھی۔

"مجھے تو اقبال بھائی اور بڑی آپی کی طرف سے آس تھی لیکن اب تو دانیال کا رشتہ بھی طے ہو گیا ہے۔ آئی تھیں مٹھائی لے کر۔ میرا دل نہ چاہا۔ سیدھے منہ بات کروں۔ کس چیز کی کمی ہے میری بیٹی میں۔ لیکن اپنوں میں ہی کیڑے نظر آتے ہیں۔ دیکھوں گی خود پری کیا ہیرے تولتی ہے۔"

اُن کے لہجے میں غصہ تھا۔

"بس امی! خود کو مت جلائیں۔ رشتوں کی کمی نہیں ہے پھر سنجوگ تو آسمان پر بنتے ہیں۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ انشاء اللہ آپ دیکھیے گا۔ دیر آید درست آید۔" رضا نے اُن کے ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

"کیوں ابو؟"

"بالکل بیٹے! میں بھی تمہاری بات پر یقین رکھتا ہوں مگر ماں کا دل ہے ناں۔ سوچتا رہتا ہے۔"

"بس جو آپ سے کہا ہے، آپ اُس کے مطابق سوچیں۔ خوامخواہ خود کو مت تھکائیں۔"

وہ فکرمندی سے سر ہلا کر رہ گئیں۔

"سوچ پر پہرے تھوڑی بٹھائے جا سکتے ہیں۔"

کیا تھا ان کی لائق فائق ریحانہ اور فاطمہ خاندان میں بیاہی جاتیں مگر نند اور بھائی دونوں نے ہی مایوس کیا تھا۔ دکھ تو ان کے شوہر ریاض احمد کو بھی تھا مگر انہوں نے شاید شکوہ کرنا سیکھا ہی نہیں تھا۔

زیتون خالہ اور برکت خالہ دونوں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اچھے رشتے دکھائیں جو ان کے معیار کے ہوں۔ وہ دل بھر کر جہیز دیں گی۔

وہ بڑی دونوں بیٹیوں کی بڑھتی ہوئی عمر سے پریشان تھیں۔ ریاض احمد کی لگی بندھی تنخواہ میں کیا

ہو سکتا تھا۔ پھر بھی کھڑاپے کی وجہ سے انہوں نے کچھ نہ کچھ جوڑ توڑ کر کے بنا ہی لیا تھا۔ اب تو رضا بھی نوکری سے لگ گیا تھا لیکن کوئی مناسب بر نہیں تھا۔

نجانے کتنے وظیفے انہوں نے شروع کر رکھے تھے ریاض احمد انہیں سمجھاتے رہتے۔

"رب کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ہماری بیٹی کے بھی نصیب کھلیں گے۔ حاجرہ تو کیوں پریشان ہوتی ہے۔ صبر تو کرو۔"

"صبر ہی تو کر رہی ہوں اتنے سالوں سے۔" آنکھیں اور لہجہ دونوں بھر آئے۔

آج جو رشتہ آیا تھا ان کی نظر بس عائشہ پر تھیں۔ اب وہ اتنی بے انصافی نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لیے زیتون خالہ کا عندیہ جان کر فوراً انکار کر دیا۔

"دیکھو بہن اچھے رشتے بار بار نہیں ملتے۔ میں بڑی کے لیے بھی لے آؤں گی۔ تم اس کے لیے اقرار تو کر دو۔"

"نہیں، عائشہ کے لیے اور بھی رشتے مل سکتے ہیں اس وقت ضرورت ریحانہ اور فاطمہ کے رشتوں کی ہے۔ اگر ان کے لیے لا سکتی ہو تو ٹھیک ہے۔"

"ناراض کیوں ہوتی ہو۔ کوشش تو کر رہی ہوں۔" ان کا موڈ دیکھ کر زیتون خالہ برقعہ سنبھال کر کھڑی ہو گئیں۔

"اچھا۔ میں چلتی ہوں۔ کل پھر آؤں گی۔"

جواب میں دھیرے دھیرے پان چباتے ہوئے اُسے جاتے دیکھتی رہیں۔

---

آج رات پھر یہ ہوا جیسے ہی وہ سونے کے لیے لیٹا پھر وہی خواب وہی کیفیت، خوفزدہ چہرا، پھیلی ہوئی آنکھیں، لرزتا ہوا وجود۔

یہ منظر جیسے نظروں کے آگے ٹھہر گیا تھا۔ یا خدا یہ کیا ماجرا ہے۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ کیا ناتا تھا اس سے۔ اور اب تو اس بات کو بھی کافی دن ہو گئے تھے۔

اس نے اُٹھ کر کھڑکیوں سے پردے ہٹا دیے۔ ہلکی ہلکی سی چاندنی پھیلی ہوئی تھی:

وہ خود پر غور کرنے لگا۔ ایسا کیوں ہوا۔ کیوں اس لڑکی کے نقوش حافظے پر نقش ہو گئے۔ اُس سے تو ایسا تعلق بھی نہیں تھا۔

خود کو اندر تک ٹٹولا۔ مگر کیوں کا واضح جواب نہ مل سکا۔

صبح تیار ہو کر گھر سے نکل رہا تھا۔ اس نے اسکول کی ملازمت کر لی تھی۔ سیکنڈری اسکول میں بچوں کو پڑھاتا تھا لیکن یہ جاب عارضی تھی۔ کسی کی جگہ پر تھا۔ وہ کسی دوسری جگہ جاب بھی ڈھونڈ رہا تھا جو مستقل ہو۔ اب ساری عمر وہ یہ کام تو نہیں کر سکتا تھا۔ یہ سب تو عارضی تھا۔

مگر کوئی ڈھنگ کی جاب نہ مل رہی تھی۔

صبح نکلتے ہوئے امی نے کہا تھا: جلدی آ جانا۔ آج کچھ عورتیں آئیں گی۔"

"جی اچھا!" وہ کچھ سوچتے ہوئے باہر نکل گیا۔

آج اُس کا ارادہ دلاور سے رابطہ کرنے کا تھا۔ کافی دن سے اس کی بات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن وہ آذر جیسے اوباش لڑکے کے ساتھ بھی کام کرنے پر تیار نہیں تھا۔ بے شک وہ تمام ٹیچرز میں کھرے تھے مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس ٹیچرز کو منہ پر مل لیتے۔

اکثر وہ سوچتا تھا کہ دلاور کسی کمی مجبوری سے اس جاب کیلیے بظاہر تو وہ ٹھیک ٹھاک گھرانے کا چشم و چراغ لگتا تھا۔

راستے میں اسے وجی مل گیا۔ وجی سے اس کی بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

"کیا ہو رہا تھا!" اس کو بوتھ سے نکلتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"اپنے ہی دلاور سے بات کر رہا تھا۔" اس نے ہاتھ ملایا۔

"کیا ہوا! بات ہوئی اس سے؟" وہ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے گویا ہوا۔

"نہیں رابطہ نہیں ہوا۔ فون ڈیڈ ہے شاید۔"

"ہوں۔ آؤ کھانا کھاتے ہیں۔ تیج پیٹ میں چوہے سرگشت کر رہے ہیں۔"

سامنے ہوٹل دیکھ کر وجی نے کہا اور دونوں ہوٹل میں داخل ہو گئے۔

وہی اس کی طرح ہی مجبوریوں کے راستے پر گامزن تھا اور ادھر اُدھر بھٹکنے کے بعد ——— اس راہ پر آ نکلا تھا۔ اُس کا ارادہ بھی جلد ہی اس کام سے کنارہ کش ہو جانے کا تھا۔ اس نے آگہ دیا تھا کہ ذمے داریوں سے فراغت بعد وہ یہ شہر ہی چھوڑ دے گا۔

رضا شام کو گھر میں داخل ہوا۔ خاصی چہل پہل تھی۔ وہ سیدھا ابو کے کمرے میں آ گیا۔

"کیا بنا ابو؟!"

"بس آنے والے ہیں وہ لوگ!"

تبھی بیل بجی اور جہاں آرا باہر نکل گئیں۔

"ابو سب انتظام تو ٹھیک ہے؟!"

"ہاں بیٹا!" انہوں نے ٹھنڈا ہنکارا بھرا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟!"

"ٹھیک ہے بیٹا! جانے کب جان چھوٹے گی!" انہوں نے مایوسی سے کہا۔

"اللہ نہ کرے ابو! آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رہے۔ یہ مایوسی کیوں؟ کسی بات کی تکلیف ہے؟" وہ دھیرے سے ہاتھ تھام کر بولا۔

"یہ تکلیف کیا کم ہے کہ میں نے اپنے فرائض تمہیں سونپ دیے۔ تمہاری ابھی عمر ہی کیا ہے!"

"میں آپ کا بیٹا ہوں۔ بیٹا باپ کا بازو ہوتا ہے۔ آئندہ بالکل بھی ایسا مت سوچیے گا!" اس نے ایک بار پھر کہا۔

اسی وقت جہاں آرا اندر آ گئیں۔

"چلیں وہ لوگ آ گئے!"

"بیگم! کوئی مرد ہے ان کے ساتھ؟!"

"نہیں تو!"

"پھر ہم لوگ جا کر کیا کریں گے۔ آپ اپنا کام کریں ریحانہ اور فاطمہ کو لے جائیے!"

"نہیں صرف فاطمہ کو۔ ——— بڑی ہو رہی ہیں۔ عمروں کا زیادہ فرق نہیں ہے۔ کسی ایک کی بات ہو جائے۔ یہ بہتر ہے نہ ہونے سے!"

"جی!" بات دونوں کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

"میں چاہتا ہوں دونوں کی بات ہو جائے تو ایک ساتھ شادی کر دیں گے!" انہوں نے تائید طلب نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا۔

"ہاں ابو! یہ بہتر رہے گا!"

ریحانہ کو اس کے لمبے بالوں کی وجہ سے آنے والوں نے پسند کر لیا تھا۔

اُسی وقت جاتے جاتے زیتون خالہ بتا گئیں۔

جہاں آرا نے فوراً یہ خوشخبری سب کو سنائی۔ صد شکر ادا کیا۔

کتنے نفل مانے تھے انہوں نے۔ خدا نے اُن کی دعائیں سن لیں۔

آپی کے چہرے کی رونق نے رضا کو بہت خوشی دی۔

ایک طویل انتظار کیا تھا انہوں نے۔

"اے خدا جب لڑکیوں کے نصیب کی خوشیاں تو نے لکھ دی ہیں جوڑے بنا دیے ہیں تو پھر اتنا انتظار کیوں کہ ان بے زبان لڑکیوں کی آنکھوں کی جوت ماند پڑ جائے۔ چہرے مرجھا جائیں۔ جذبات سرد ہو جائیں۔ رب کے کام رب ہی جانے۔" رضا نے سونے کے لیے آنکھیں موند لیں۔

آج پھر وہی ہوا۔ وہی مدہوش سا پیکر اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

وہی سارے منظر تازہ ہو گئے۔ آذر کا تیزی سے جھکتا وجود۔ اس کا جھپٹ کر اُسے پیچھے دھکیلنا۔ اُس کا خونخوار آنکھوں سے دیکھنا۔

"یاالٰہی!" وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے!" اس کی چھٹی حس اسے بار بار کسی بات کا سگنل دے رہی تھی لیکن کیا؟ یہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"کیا کرنا چاہیے۔ کیا نہیں۔" ایک عجیب سی بدسکونی، بے آرامی نے اس کے جسم و جان میں گھر کر لیا۔ رات آہستہ آہستہ بیتنے لگی۔

پھر وقت تو اپنے محور پر چلتا ہی رہتا ہے۔ یہ کب رُکا ہے کسی کی خاطر۔ دوسرے دن خالہ زیتون خوشخبری کے ساتھ آ گئیں۔ وہ لوگ بات طے کرنے کے لیے آنا چاہتے تھے۔ سارے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"بس بہن میں آپ کو خوش کر دوں گی۔ میری فاطمہ کے لیے بھی بر تلاش کر دو!" جہاں آرا نے اُس

کے ہاتھ تھام لیے۔

"بڑی کی بات پکی ہو جائے۔ تو پھر سوچنا فاطمہ کے لیے!"

"لڑکا پرائیویٹ جاب کرتا ہے ساتھ ٹیوشن بھی پڑھاتا ہے۔ اچھے سیدھے سادے لوگ ہیں۔ اتوار کو آنے کا کہہ رہے تھے۔

"سو بسم اللہ میں انتظار کروں گی!"

ان کی خوشی دیدنی تھی۔

اندر ریحانہ، عائشہ اور طاہرہ آپی کو مبارک باد دیتے ہوئے گا رہی تھیں۔

ع میری بنو کی آئے گی بارات کر
ڈھولک بجاؤ ری

اور وہ شرما کر سمٹی جا رہی تھیں۔

زیتون خالہ کے جانے کے بعد سب سے پہلے انہوں نے بڑے کمرے میں رکھا بڑا صندوق کھولا۔ اور چیزوں کا جائزہ لینے لگیں۔

ان کا ارادہ جلد ہی شادی کرنے کا تھا۔ سب لڑکیاں اُن کے گرد جمع ہو گئیں۔

رات کو خوشی خوشی رضا کو خوشخبری سنائی گئی۔ اُس نے بھی سب کو مبارک باد دی۔

گھر میں خوشیاں جاگنے لگیں۔ اس رات کو کوئی بھی نہ سو سکا۔

"امی، ابو سوچتے رہے کیا کیا چیزیں منگوانی ہیں۔ کیا انتظامات کرنے ہیں۔ فاطمہ، عائشہ اور طاہرہ خوشی خوشی پروگرام بناتی رہیں کہ اس گھر کی پہلی شادی تھی۔

اور ریحانہ آنے والے دنوں کا سوچ کر کہ اجنبی لوگ اجنبی گھر — اجنبی کمرہ اجنبی طور طریقے جہاں جا کر اسے خود کو ان سب چیزوں کے مطابق ڈھال لینا تھا۔

پھر متوسط طبقے کی لڑکیاں تو ہر حال میں، ہر ماحول میں خود کو ڈھال لیتی ہیں۔ یہ تو ایسا موم ہوتی ہیں جو خود بخود ڈھلتی چلی جاتی ہیں۔

---

وسیع نے بتایا کہ دلاور نے کال کیا ہے۔

"اچھا!" اُس کا لہجہ سوچتا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے۔ کچھ پریشان ہو؟" اس نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"میں۔ ہاں۔ نہیں!" وہ ایک دم سے متضاد کیفیات کا شکار ہو گیا۔

"کیا مطلب ہو بھی اور نہیں بھی ہو!" رضا اُسے دیکھنے لگا۔

"کیا سوچ رہا ہے؟"

"سوچ رہا ہوں بتاؤں کہ نہ بتاؤں!"

"بتا دے بوجھ ہلکا ہو جائے گا!"

"مجھے لگتا ہے۔ یہ بوجھ ہلکا نہیں ہوگا۔ بلکہ بڑھتا چلا جائے گا!"

"گھر میں کوئی پریشانی ہے؟" اس نے خود قیاس کیا۔

"نہیں اللہ کا شکر ہے کہ گھر کے مسائل سلجھتے جا رہے ہیں!"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ آخری واردات جو ہم لوگوں نے ڈیفنس کے بنگلے پر کی تھی۔ وہ میرے دل و دماغ سے محو نہیں ہو رہی۔ رات کو سوتا ہوں تو تمام منظر واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے سب کچھ نگاہوں کے سامنے ہوتا جا رہا ہے!"

اس نے فیصلہ کر کے بتا دیا۔ آخر دل کا بوجھ تو ہلکا کرنا ہی تھا۔

"ہیں۔ میں سمجھا نہیں!"

"بس یہ سمجھ لو کہ میں اُس واردات کو بھولا نہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔"

"وہ لڑکی تو نہیں پسند آ گئی؟" وسیع شرارت سے مسکرایا۔

"وسیع!" وہ اُس کی شرارت سمجھ کر سنجیدگی سے بولا۔

"میں اس قسم کے چکروں میں پڑنے والا نہیں ہوں۔ مگر وہ۔ ہاں وہ لڑکی ایک پل کو میری نگاہوں کے سامنے سے نہیں ہٹتی۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری چھٹی حس مجھے کسی چیز کے لیے خبردار کر رہی ہے۔ کچھ سمجھا رہی ہے۔ لیکن میں کچھ نہیں پا رہا!"

وسیع جو شرارت کے موڈ میں تھا اُس کی

عمیق سنجیدگی دیکھ کر سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ سلسلہ کب سے ہے؟"

"جب سے وہاں سے ہو کر آئے ہیں"

"کیا خیال ہے دوبارہ چلیں ادھر۔" رضا ہنستے ہوئے بھی اس کی رگ شرارت پھڑکی۔

"پاگل ہو رہا ہے کیا؟ پہچان کر اندر کروا دے گی" اس نے گھورا۔

"وہ پہچانے گی ہی نہیں تو پھر اندر کیسے کروائے گی"

"کیوں نہیں پہچانے گی؟"

"نقاب میں تھے ہم لوگ" اس نے یاد دلایا۔

"اوہ!" اسے یاد آ گیا۔

"پھر کیا خیال ہے؟"

"ملنے سے کیا ہو گا؟" ابرو اٹھا کر پوچھا۔

"ہو سکتا ہے ملاقات شول پر اٹیک کر دے اور کوئی شادی وادی کا سلسلہ شروع ہو جائے۔"

"شادی!" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"شادی تو اپنی تقدیر میں ہے ہی نہیں۔ میں کیوں کسی معصوم کی زندگی خراب کر دوں سزا کاٹنی ہے ابھی بہت"

اس نے صاف جواب دے دیا۔

"سود وزیاں سب ساتھ ساتھ چلتا ہے زندگی اسی کا نام ہے۔ تیرا خواب میں بار بار اس ماہ وش کو دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بار بار سگنل دے کر بلا رہی ہے آؤ۔ آؤ میرے محبوب آؤ اور مجھ سے شادی کر لو"

وہ شرارت سے کہہ کر اپنی بات پر خود ہی ہنسا۔ رضا بھی اس کے انداز پر ہنس دیا۔

"تیرے خواب کی یہ تعبیر جو کہ وسیع بتا رہا ہے" اس نے فرضی کالر جھاڑے "عمل کر لو فائدے میں رہو گے" رضا سر جھٹک کر ہنس دیا۔

"پاگل! ان تلوں میں تیل نہیں ہے"

"تیل کنویں کھود کر نکالا جاتا ہے زمین سے ہموار سطح پر کچھ نہیں ہوتا"

"شادی!" رضا ایک دم سے چونک کر بولا۔

"ہاں اب آیا ناں راستے پر" وسیع نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"نہیں شادی سے میری مراد ہے کہ" اس کی بات کاٹ کر اُسے دیکھا اور پھر سر پکڑ لیا۔

"کیا ہوا؟"

"کہیں ہم نے اس لڑکی کا شادی کا زیور تو نہیں چرا لیا۔ زیورات کے ڈبے نئے معلوم ہوتے تھے"

"اوہ!" اب کے وسیع بھی چونکا۔

"ہاں یار! ڈبے تو نئے تھے۔ لیکن ہمیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے یوں اگر ہر کسی کے بارے میں سوچنے لگے تو بس پھر گئے کام سے"

"جانے کتنی مشکلوں سے اس کے والدین نے بنایا ہو گا"

"پاگل ہو گیا ہے تو۔ وہ کسی سیٹھ کی کوٹھی تھی۔ اور سیٹھ لوگ جتنا لاکر میں رکھتے ہیں اس سے کہیں زیادہ بینکوں اور خفیہ تجوریوں میں رکھتے ہیں"

بات ختم کر کے وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ رضا اسے بے معنی انداز میں دیکھتا خود بھی اُٹھ گیا۔

اپنی بے کلی وہ خود بھی کچھ نہیں پا رہا تھا۔

---

آج پھر ان کے کام کا دن تھا۔ اور یہ سب لوگ دلاور کے گھر میں جمع تھے۔ دلاور نے دو گروپ بنا دیے۔ اس کے گروپ میں وسیع، قاسم اور آذر تھے۔

رضا نے صاف انکار کر دیا۔ وہ آذر کے ساتھ واردات میں حصہ نہیں لے گا۔

"میں نے اسے سمجھا دیا ہے، اب یہ ایسا کچھ نہیں کرے گا"

"بدمعاشوں والے کام کر کے شریف بنتا ہے"

آذر کو وہ بات بھول نہیں تھی۔

"میں کسی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یہ بدمعاشی میری مجبوری ہے"

"جب مجبوریوں کے ہاتھوں بک ہی گئے ہو تو یہ کیا کڑوا کھانا اور گلگلوں سے پرہیز کرنا"

"میں کسی لڑکی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔" رضا سلگ گیا۔

"لیکن میں تمہاری مرضی کا پابند نہیں ہوں۔" وہ دو بدو بولا۔

"ٹھیک ہے استاد۔ میں اس واردات میں حصہ نہیں لے سکتا۔"

رضا نے صاف جواب دیا اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"تو سدھر نہیں سکتا آذر۔ رضا ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم لوگ پکڑے بھی جا سکتے ہیں۔" وسیع نے سمجھایا۔

"میں نے کہہ دیا ہے استاد! مجھے آذر کے ساتھ نہیں جانا۔" رضا نے حتمی انداز میں بات ختم کر دی۔

"ہوں۔" دلاور کچھ سوچنے لگا۔

"دراصل اس وقت رقم کی اسے اشد ضرورت تھی۔ وڈیرے نے دو ماہ کی مہلت دی تھی۔ اگر رقم ادا نہ ہوئی تو وہ زمینوں کا مالک ہو گا۔"

ایک اور منصوبہ اس کے دماغ میں آیا۔ وہ ان لوگوں کو فارغ کر کے سنجیدگی سے اس پر غور کرنے لگا۔

---

رضا کا ذہن یکدم بدل گیا تھا وہ دن رات۔ تاسف، پشیمانی میں ڈوبا رہتا۔ وہ سوچتا کیا میں نے تعلیم اس لیے حاصل کی تھی۔ میرے والدین نے سخت محنت مشقت کر کے رزق حلال سے میری پرورش اس لیے کی تھی۔ انہوں نے تو مجھے سچ بولنے کی تعلیم دی تھی۔ اور کتنا جھوٹ، کتنی منافقت کرتا رہا ہوں۔ رزق حلال کے بجائے ڈاکے ڈال ڈال کر ان کو کھلاتا رہا ہوں۔ جب وہ یہ سوچتا تو اسے اپنے دل کی رگیں کٹتی محسوس ہوتیں۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یہ دھندا اب نہیں کرے گا۔ اس نے وسیع کو بھی اپنے فیصلے کے بارے میں بتا دیا۔

"بس اب میں یہ دھندا نہیں کروں گا۔ میری مجبوریوں اور ضرورتوں نے مجھے اس گناہ کی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔"

"لیکن پھر تم کرو گے کیا؟" وسیع یہ سن کر حیران ہوا تھا۔

"میں محنت، مزدوری کروں گا۔ ٹھیلہ لگاؤں گا۔ لیکن یہ کام نہیں کروں گا۔" اس کا فیصلہ اٹل تھا۔ "نہ جانے کتنے لوگوں کی آہیں ہمارا نصیب بنی ہوں گی۔"

"ہاں یار، ضمیر تو میرا بھی بہت ملامت کرتا ہے۔ دل چاہتا ہے میں بھی کوئی کام کروں۔" وسیع نے اس کی بات سن کر کہا۔

دونوں کے ضمیر اس حد تک نہیں سوئے تھے کہ آنکھیں بند کر کے اس راستے پر گامزن رہتے۔

اس نے سچے دل سے توبہ کی تھی اور بے شک توبہ کرنے والوں کے لیے ہمیشہ دروازے کھلے رہتے ہیں۔ وہ سجدے میں گر کر توبہ استغفار کرتا۔ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر رزقِ حلال کے لیے دعائیں مانگتا۔

اسے صرف یہ فکر تھی کہ دلاور کو کس طرح اپنے فیصلے سے آگاہ کرے گا۔ اسے کس طرح مطمئن کرے گا۔ وسیع سے بات کی تو اس نے کہا تھا۔

"سوچ لے یار! لیکن فیصلہ ایسا کرنا کہ اس پر قائم رہو۔ بار بار فیصلے نہ بدلنا۔"

"یار، دلاور، کچھ گڑبڑ نہ کر دے۔" رضا نے فکرمندی سے کہا۔ اسے اپنی جوان بہنوں کی فکر تھی۔

"وہ اس قسم کا بندہ نہیں ہے کہ ساری عمر اپنے دام میں پھنسائے رکھے۔ وہ لوگ دوسری طرح کے ہوتے ہیں۔"

"ہوں، پھر بھی آگاہ کرنا تو ضروری ہے۔"

"کر دیں گے آگاہ بھی۔ جب کال آئے گی۔ پہلے سے جا کر کیوں ہم مشکل میں ڈالیں خود کو۔"

اس بار کافی عرصے بعد دلاور کی کال آئی کہ ایمرجنسی ہے۔

"میں تو نہیں جا سکتا۔ دراصل ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" رضا نے اسے ٹالا۔

"لیکن میں نے سارا پروگرام سیٹ کر لیا ہے۔"

"میں مجبور ہوں استاد!" اس نے معذوری ظاہر کی۔

"ٹھیک ہے اس بار تمہاری مان رہا ہوں۔ لیکن آئندہ ایسا مت کرنا!"

"جی استاد!" اس نے سعادت مندانہ کہا اور فون بند کر دیا۔ وہ نوکری کے لیے سرتوڑ کوششیں کر رہا تھا۔

کچھ دنوں بعد پھر دلاور کی کال آئی تھی۔ اس نے پھر کوئی نئی واردات ترتیب دی تھی۔ رضا نے پہلے تو سوچا ٹال دے لیکن دلاور جہاں دیدہ بندہ تھا۔ اس کے عذر کہاں تک چل سکتے تھے۔ اس نے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ اس کے روبرو کھڑا تھا۔ دلاور پروگرام کی تفصیلات بتا رہا تھا۔ وہ گم صم کھڑا تھا۔

"رضا!" دلاور کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"کیا بات ہے؟ کدھر گم ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی استاد بالکل ٹھیک ہے۔" اس نے خود کو نارمل کیا۔

"اچھا بتا، میں کیا کہہ رہا تھا؟" دلاور نے بغور اس کے چہرے کو جانچا۔

"جی وہ۔ وہ۔" وہ گھبرا گیا۔

"کیا بات ہے رضا! کوئی پرابلم ہے؟" دلاور نے قدرے نرم لہجے میں پوچھا۔

"جی۔ جی استاد!" اس نے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"کیا بات ہے۔ بول ناں منہ سے؟" وہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"استاد! میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں اب یہ کام نہیں کروں گا۔ میرا ضمیر مجھے چین نہیں لینے دیتا۔ میں اپنے ماں باپ کے احسانوں تلے دبا ہوا ہوں۔ اور انہیں کیا دے رہا ہوں۔ حرام کی کمائی، بدنامی، رسوائی۔" وہ جذباتی ہو گیا۔

دلاور مہر بہ لب اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس سے پہلے کہ میرے ماں باپ کو میرے کالے کرتوتوں کا علم ہو، میں لائن چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔ جس دن انہیں پتا چلا تو وہ بن موت مر جائیں گے۔"

"ہوں۔" دلاور نے ایک گہری نظر اس کے چہرے پر ڈال۔

"ہم تو تجھ کو نہیں لائے تھے اس دھندے میں۔ یہ سب تو تجھے پہلے سوچنا تھا۔"

"یہ میری بدنصیبی تھی کہ سوچے سمجھے بغیر اس دلدل میں پھنس گیا۔ جو انسان کو انسان نہیں رہنے دیتی۔"

"کیا کرے گا تو یہاں سے نکل کر؟"

"نوکری کروں گا۔ محنت، مشقت، مزدوری جو بھی کام ملے گا کر لوں گا۔ لیکن حرام کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھوں گا۔"

"نوکری تو تیرے پاس پہلے بھی تھی کیوں نہیں گزر ہوا۔"

"میں نے کہا ناں اس وقت میں نے خود کو مظلوم، لاچار سمجھ کر اپنی مجبوریوں کا سودا کر لیا تھا۔ حالانکہ یہ دکھ، تکلیفیں، پریشانیاں تو بندے کا امتحان ہوتی ہیں کہ۔"

"بس۔" دلاور نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"اپنی نصیحت اپنے پاس رکھ۔ تیری مرضی ہے لیکن میں تجھے یہ لائن چھوڑنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ پیسے کے بغیر زندہ رہنا مشکل ہے۔"

"میں نے کہا ناں استاد۔ میں یہ سب کچھ چھوڑنا چاہتا ہوں۔ آگے اللہ مالک ہے۔"

"اوہ تو شریف خون نے جوش مار ہی دیا۔" آذر طنزیہ ہنسا۔

"آذر! میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔ بہتر ہے کہ خاموش رہو۔"

وہ غصہ دبا کر بولا۔

دلاور نے اسے ہاتھ اٹھا کر روکا اور کہا۔

"دیکھو رضا میں زور اور زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔ تو اپنی مرضی سے آیا تھا۔ میں نے تو صرف راستہ دکھایا تھا۔ اصرار نہیں کیا تھا۔ مجبور نہیں کیا تھا۔ جا رہا ہے

تو تیری مرضی ہے۔"

رضا حیرانی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اتنی آسانی سے جان چھٹنے کی امید نہیں تھی۔

"لیکن" دلاور نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا۔ "اپنے ضمیر کو اپنے تک ہی زندہ رکھنا۔ مخبری کی کوشش کی تو میرے ہاتھ اتنے لمبے ضرور ہیں کہ دشمن کی گردن کاٹ سکیں۔"

"نہیں استاد! مجھ سے تم ایسی امید نہ رکھو۔ تم نے مجھ پر احسان کیا ہے جو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ میں یہاں سے نکل کر اپنی زندگی کا یہ باب ہی نکال دوں گا۔"

رضا نے اسے اطمینان دلایا۔

پھر۔۔ دیگر ساتھیوں سے ہاتھ ملایا اور انہیں سلام کر کے نکل گیا۔

آذر چند لمحے تک انہیں جاتا دیکھتا رہا۔

"اونہہ! اس دور کے مجنوں صراطِ مستقیم پر چلیں گے ضمیر کی روشنی میں۔"

وہ تمسخرانہ انداز میں ہنسا۔ باقی سب خاموش بیٹھے رہے ان کے چہروں پر سوچ و فکر کے سائے تھے۔

"دیکھتا ہوں کیسے اس بھنور سے نکل پاتے ہیں۔" آذر کے پور پور میں رضا کے لیے کھولن تھی۔

---

"اتنی آسانی سے دلاور ہمیں چھوڑ دے گا اس کی امید نہیں تھی۔"

"ہوں۔ امید تو مجھے بھی نہیں تھی۔" وسیع نے کہا۔ وہ بھی رضا کے ساتھ دلاور کو چھوڑ آیا تھا۔

"لیکن رضا! نہ جانے کیوں مجھے خطرے کی بُو آ رہی ہے۔ آذر ضرور کچھ نہ کچھ کھیلا کرے گا۔ دیکھا تھا اس کا انداز۔"

"ہوں۔" رضا کچھ سوچ رہا تھا۔ "ہم ایک دلدل سے نکل آئے ہیں تو اللہ آگے بھی ہماری مدد کرے گا۔ کیا خدا کا مضبوط سہارا نہیں ہے ہمارے ساتھ۔"

رضا نے اسے حوصلہ دیا تو وسیع کے دل و دماغ سے سارے خدشے نکل گئے۔

دن تیزی سے گزر رہے تھے رضا کو فکر تھی کہ اب کیا ہوگا۔ گھر کے خرچ کا کیا بنے گا۔ فی الحال اس نے ایک کریانہ کی دکان پر سیلز مین کی جاب کر لی تھی لیکن اتنی کم تنخواہ میں گزر اوقات بھی مشکل تھی۔ اسے تو بہنوں کی شادی بھی کرنا تھی۔

ریحانہ کا رشتہ طے ہو گیا تھا ——— اس کی منگنی ہو گئی تھی۔

لڑکا ہر لحاظ سے بہت اچھا تھا۔ ملازمت بھی اچھی تھی۔ سب کو پسند آیا تھا۔ اسے فکر تھی کہ لڑکے والے زیادہ دیر انتظار نہیں کریں گے۔ شادی کا تقاضا کریں گے تو پیسوں کا انتظام کیسے ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کرتا کہ کوئی سبیل نکل آئے۔

کئی جگہوں پر اپلائی تو کر رکھا تھا۔ لیکن ابھی تک کہیں بھی بات نہیں بنی تھی۔

اس دن۔۔ تھکا ہارا گھر آیا تو ایک خوشخبری اس کی منتظر تھی۔ اسے ایک بہت اچھی جگہ سے آفر آئی تھی کہاں چھ سال تک وہ ڈگریاں ہاتھ میں تھامے شبانہ روز جدوجہد کرتا رہا لیکن کام نہ بنا۔ کسی نے گھاس نہ ڈالی اور اب اللہ تعالیٰ نے کرم کیا تو قسمت کے دروازے کھل گئے۔

وسیع نے سنا تو وہ بھی حیران ہوا۔

گھر والے بھی بہت خوش تھے۔ بھاری تنخواہ اتنی مراعات اور دیگر الاؤنس۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ انسان کو کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ ایک نہ ایک دن وہ ضرور کامیاب ہوتا ہے۔ یہ میرے بچے کی لگن، محنت، جستجو اور سچے جذبوں کا انعام ہے۔" ریاض احمد نے فخر سے اسے دیکھا۔

جہاں آرا نے بے اختیار اس کا ماتھا چوم لیا۔

"خدا ہر ماں کو ایسا نیک، صالح بیٹا دے۔" اُنہوں نے صدقِ دل سے دُعا دی۔

"عائشہ! بھائی کے لیے ناشتا لاؤ۔"

"جی امی! ابھی لائی۔" عائشہ نے کچن سے کہا۔

"میں ذرا تیار ہو جاؤں۔ آج آفس میں پہلا دن ہے۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"بھائی! ذرا اچھی طرح تیار ہویئے گا۔ فرسٹ

"اسپریشن از لاسٹ اسپریشن" عائشہ نے باہر آکر شرارت سے کہا۔

رضا پیار سے اس کے سر پر چپت لگاتا اندر بڑھ گیا۔

---

ان ہی دنوں بوا ایک رشتہ لے کر آئیں۔

جہاں آرا انہیں جانتی نہیں تھیں۔

بوا نے بتایا ان کا ایڈریس کسی نے انہیں بتایا تھا کہ یہاں لڑکیاں ہیں۔

"اچھا کون محسن ہے ان کا؟" وہ سوچ کر رہ گئیں۔ ان کو گندمی رنگت والی فاطمہ بہت پسند آئی۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے۔ کتنی بچیاں ہیں آپ کی؟"

"ماشاء اللہ چار بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔"

"بیٹے کا ارادہ ہے کہیں؟"

"فی الحال تو نہیں، پہلے بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں پھر اس کا نمبر ہے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ بہن! بیٹیوں کی قسمت تو خدا کھولتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو ایک دو رشتے ہیں میرے پاس۔ جو ادل بدل کی شادی کرنا چاہتے ہیں؟" بوا نے پان کی گلوری منہ میں ڈالی۔

"نہیں، بہن! مجھے ابھی اس کی کرنا نہیں ہے۔ دو بہنوں سے چھوٹا ہے پھر اس کی خود کی منشا بھی نہیں ہے۔ کم سے کم بڑی بہنوں کی ہو جائے۔"

"دیکھ لیں، کوئی حرج نہیں ہے۔"

"نہیں بہن! آپ جس مقصد کے لیے آئی ہیں، بات کریں۔"

"ناراض ہو گئیں آپ تو۔"

"ناراضگی کی بات نہیں۔ اصول اصول ہے۔"

"اچھا کھاتے پیتے گھر کا لڑکا ہے۔ سب سے چھوٹا اپنا بزنس کرتا ہے۔ کوئی ذمہ داری، کوئی بوجھ نہیں۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے آپ لے آئیں ان لوگوں کو دیکھ لیں گے۔" جہاں آرا نے ہامی بھری۔

"اچھا جی! ان سے پوچھ کر بتاؤں گی۔" وہ دو چار باتیں کر کے اٹھ گئی۔

تھوڑے دنوں بعد وہ لوگ رشتہ لے کر آ گئے۔

وہ لوگ فاطمہ کو پسند کر گئے تھے۔ لڑکے کی تصویر دکھائی تھی۔

جہاں آرا نے ایک بار پھر اپنے رب کا شکر ادا کیا تھا۔

"بھئی رضا کو تصویر دکھا دُنا۔" رات کو ریاض احمد نے بیگم سے کہا۔

"تصویر!" جہاں آرا چونکیں۔ "تصویر تو وہ لوگ ساتھ لے گئے۔"

"ہائیں ساتھ لے گئے۔ یہ کیا منطق ہے۔ بھلا کس مقصد کے لیے تصویر لائے تھے۔" ریاض احمد نے الجھنے سے کہا۔

"چلو اب خود چل کر دیکھ لینا۔ اچھا گھر، اچھے لوگ ہیں، پسند آئے گا لڑکا اقبال جیسا ہے۔"

"بس امی! آپ نے دیکھ بھال لیا۔ اور کیا چاہیے۔ انکوائری میں کروا لوں گا۔ اب آئیں تو ایڈریس وغیرہ لے لیجیے گا۔"

رضا نے اپنی رضامندی دے دی۔

ان لوگوں نے کہا تھا جلد شادی کریں گے۔

جلد شادی کا مطلب تھا ریحانہ کے ساتھ۔

اور وہ تو خود بھی یہ ہی چاہتی تھیں۔

ابھی تک رضا نے لڑکے کو دیکھا نہیں تھا۔ لڑکے والوں کے گھر سے مٹھائی بھی آ گئی، وہ لوگ فاطمہ کے ہاتھ پر پیسے بھی رکھ گئے، منہ میٹھا بھی کروا گئے تھے۔

"بیٹا! تم بھی ایک نظر لڑکے کو دیکھ لو۔ کچھ اندازہ ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے امی! آئندہ آپ کے ساتھ میں بھی چلوں گا۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

---

رضا کی جاب بہت اچھی جا رہی تھی۔ وسیع بھی جاب کے سلسلہ میں تگ و دو کر رہا تھا۔ مگر کام بنتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے وسیع! بزنس شروع کر دیتے ہیں" رضا نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ہاں یار! مسائل بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ بہنوں کی شادیاں بھی کرنی ہیں"

"یار! تجھ سے ایک بات کہنی تھی"

"کیا؟" وسیع متوجہ ہو گیا۔

"اسی کے متعلق"

رضا کہتے کہتے جھجک گیا۔

"گویا اُس سحر سے نکلا نہیں ابھی"

"کوشش تو کر رہا ہوں لیکن جانے کیوں مجھے رہ رہ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ اُس لڑکی کو میری ضرورت ہے۔ وہ کسی تکلیف میں ہے حالانکہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی"

"تو پھر مل لے ناں اس سے"

"نہیں یار! میں اس کا سامنا نہیں کر سکتا"

رضا مایوسی سے کھڑا ہو گیا۔

---

امی کے ساتھ وہ لڑکے والوں کے گھر کے سامنے بائیک روکے کھڑا تھا۔ گیٹ کی سائیڈ میں نیم پلیٹ لگی تھی۔ صادق علی ایڈووکیٹ، وسیع و عریض بنگلہ تھا۔ رضا قدرے حیران ہوا۔ انہیں ہم غریبوں میں کیا نظر آ گیا۔

لڑکے کی ماں اور بہنوں نے محبت سے ان کا استقبال کیا۔ لڑکے کی ماں پہلی بار رضا سے ملی تھیں نظروں میں جانچ رہی تھیں۔ یقیناً عندیہ کچھ اور ہو گا۔

رضا نے نظریں چرا کر اطراف کا جائزہ لیا۔ بیش قیمت فرنیچر سے مزین ڈرائنگ روم مکینوں کی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ رضا سوچ میں پڑ گیا تھا۔

وہ کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔

تبھی لڑکے کی والدہ نے کہا۔

"میں معذرت چاہتی ہوں۔ کچھ دیر پہلے وقار باہر گیا ہے ایمرجنسی میں"

"اوہ! میں تو اپنے بیٹے رضا کو اس سے ملوانے لائی تھی"

"ان شاء اللہ ملاقات تو ہوتی رہے گی۔ آج نہیں تو کل سہی"

"لیکن اب شادی کے دن قریب آ رہے ہیں اور میرے بیٹے کی ایک بھی ملاقات نہ ہو سکی وقار سے" جہاں آرا نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرے خیال میں اب شادی پر ہی ملاقات ہو سکتی ہے۔ یا آپ کہیں تو گھر لے آؤں۔ دراصل شادی کی وجہ سے وہ مصروف بھی بہت ہے!"

"میرا خیال ہے۔ میں وقار سے آفس میں ہی مل لیتا ہوں" رضا نے حل پیش کیا۔

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا" وقار کی والدہ نے کہا۔

"اچھا ذرا تصویر تو دکھا دیں۔ وہ بھی آپ واپس لے آئی تھیں"

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ جاؤ مہر! بھائی کی تصویریں لا کر دکھاؤ"

"جی امی!" وہ باہر نکل گئی۔

"میری بیٹی نے اسی سال انٹر کیا ہے"

"ماشاءاللہ بہت پیاری ہے" جہاں آرا نے توصیفی نگاہوں سے دیکھا۔ جبکہ رضیہ بیگم کی آنکھوں میں رضا کو دیکھ کر جوت سی جل گئی تھی دل ہی دل میں ایک اور فیصلہ کر لیا۔

مہر البم لے آئی۔

"تھینک یو" رضا نے تھام لیا۔

"جاؤ مہر! دیکھو کچن میں تمہاری ضرورت ہو گی"

"جی امی!" وہ باہر نکل گئی۔

پہلا صفحہ الٹتے ہی رضا کا رنگ فق اور پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے خود کو ہوا میں معلق محسوس کیا۔

وہ اُس شخص کی تصویر تھی جس سے وہ دنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتا تھا۔

آذر۔ آذر علی۔ مگر وہ وقار علی کیسے بن گیا۔

وہ بے ساختہ صفحے پلٹتا گیا۔ ہر صفحہ پر وہی براجمان تھا۔ صرف اُس کی ہی تصویریں تھیں۔

"تو۔ تم اتنی گری ہوئی حرکت بھی کر سکتے ہو۔" اس نے البم بند کر کے سلگتے ہوئے نگاہ اُٹھائی۔ تو یوں محسوس ہوا، کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ گر رہا ہو۔ اُس کا پورا وجود دہکنے لگا۔

"ماشاءاللہ آپ کا بیٹا بہت اچھا ہے۔ اس میں برائی کیا ہے، پھر تم لوگ تعلیم یافتہ ہیں اول بدل کی شادی کو برا نہیں کہتے۔"

"بہن: میں اس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ رضا اور اُس کے ابو سے مشورہ کر کے ہی کچھ کہہ سکوں گی۔ ویسے میرے خاندان میں کبھی ایسا ہوا نہیں۔" جہاں آرا کے چہرے پر تفکر پھیل گیا۔

"سوچ لیں بہن: پھر میرے لیے بھی لڑکیوں کی کمی نہیں۔ میں تو صرف وقار کی ضد کی وجہ سے راضی ہوئی تھی ورنہ۔"

اُن کی آنکھیں ماتھے پر لگ گئیں۔

"چلیں امی: دیر ہو رہی ہے۔" رضا کھڑا ہو گیا۔

"پھر بہن: ذرا جلدی جواب دے دیجیے گا۔ میں انتظار کروں گی۔"

وہ بھی کھڑی ہو گئیں۔

"صد شکر کہ وقت گزرنے سے پہلے معلوم ہو گیا۔ اور۔ اور اگر نکاح والے دن معلوم ہوتا تو۔ تو پھر کیا ہوتا۔؟" بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے پریشانی سے سوچا۔

واقعی رب کے کام رب ہی جانتا ہے۔ وہ چاہے تو سنوار دے، چاہے تو بگاڑ دے۔ تشکر کے احساس سے اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"کیا ہوا بیٹا! کیا لڑکا پسند نہیں آیا؟" جہاں آرا نے اس کی خاموشی کو نوٹ کیا۔

"نہیں امی:" اس نے ... صاف کہہ دیا۔

"کیوں۔ اتنا اسمارٹ، پڑھا لکھا تو ہے پھر باپ کا بزنس۔" جہاں آرا نے حیرانی سے دیکھا۔

"کاش وہ ماں کو ... سکتا۔"

"بس امی: میں نے کہہ دیا ہے کہ یہاں باجی کی شادی نہیں ہو گی۔" اس نے گھر کے آگے بائیک روکتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ وہ اچھا انسان نہیں، اوباش۔ آوارہ ہے بہت خراب گیدر رنگ ہے اُس کی۔ اکثر میں نے اُسے غلط جگہوں پر دیکھا ہے۔ پولیس کو وہ مطلوب ہے۔" رضا نے اندر کی کھولن باہر نکال دی۔

"ہائے۔" جہاں آرا نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اچھا ہوا۔ وقت سے پہلے پتا چل گیا۔ بعد میں معلوم نہیں کیا ہوتا۔"

پیکٹ ہاتھ میں تھامے —— ریاض احمد بیٹھے رہ گئے۔

"طاہرہ! ابو کو پانی پلاؤ۔" رضا نے کہا۔

"ریلیکس ابو۔ ریلیکس۔ اچھا ہوا باجی کی زندگی تباہ ہونے سے بچ گئی۔"

"بیٹا! یہ کارڈ چھپ کر آ گئے ہیں۔ اس پر تو دونوں کے نام۔" وہ اٹک گئے۔

"کوئی بات نہیں ابو! یہ بہت معمولی سا نقصان ہے۔ اگر وہ عظیم گناہ ہو جاتا تو ہم خود کو کبھی بھی معاف نہیں کر سکتے تھے۔" وہ رسان سے انہیں سمجھا رہا تھا۔

گھونٹ گھونٹ پانی حلق سے اندر اتارتے وہ کچھ بہتر محسوس کرنے لگے۔

"واقعی ہونی کو کون روک سکتا ہے اور اگر انہونی ہو جاتی تو۔ بس میرے رب۔ بے شک تو رحیم ہے کریم ہے۔ بہتر جاننے والا بہتر کرنے والا ہے۔"

بیٹے کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر ...

---

"کیا؟" وسیع نے سُنا تو حیران رہ گیا۔ "آذر نے کس بات کا انتقام لیا؟"

"میں بھی اُسے سبق ... کھا کر رہوں گا۔" رضا نے دانت پیس کر کہا۔

"ہیرا پھیری میں نے خود کی تھی۔ ہمیشہ بائیکاٹ انس میں ملا۔ منیجر اور کلرک نے کبھی زیادہ نہیں بتایا۔ میں حیران تھا۔ اتنے امیر لوگوں کو ہم غریبوں میں نظر کیا آیا۔"

آذر صرف دلاور کے اڈے پر مل سکتا تھا۔ رضا وسیع کے ساتھ ادھر پہنچ گیا۔ اُس کوچے سے نکلنے کے بعد اُس نے عہد کیا تھا آئندہ کبھی ادھر کا رُخ نہیں کرے گا۔ لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ آج وہ کسی اور نیت سے اس دروازے پر آیا تھا۔

آذر باہر ہی مل گیا۔

رضا نے دیکھتے ہی اُس کا گریبان پکڑ لیا۔

"ذلیل، بکتے، کمینے! تجھے ہمت کیسے ہوئی میرے گھر کی دہلیز پار کرنے کی۔ بدنام کرنے کے لیے کسی اور گھر کا دروازہ نہیں ملا تھا۔ میں تیرا خون پی جاؤں گا۔ شریفوں کے گھر ڈاکہ ڈالتا ہے۔"

آذر نے جھٹکے سے گریبان چھڑایا۔

"کیا تیری بہنیں شادی کے قابل نہیں تھیں۔ میں نے رشتہ بھیج دیا تو کیا ہوا؟"

"کیوں؟ کیوں تیری یہ مجال۔ یہ کیا سوچ کر ایسا کیا۔ حیثیت پہچانتا ہے اپنی۔ گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ۔"

"کیوں کیا ہوا میری حیثیت کو۔ تیرے جیسا ہی شریف ہوں۔ تو نے کافی عرصہ میرے ساتھ گزارا ہے۔ کیا فرق ہے۔ تجھ میں اور مجھ میں؟"

ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آذر نے تیکھے ابرو سے اُسے دیکھا۔

لمحہ بھر کو رضا گنگ ہو گیا۔

"کمینے اپنے دوست کو کپڑے جھاڑ لینے سے نجاست صاف نہیں ہو سکتی۔ حیثیت اور مرتبہ دیکھ کر ہی قدم اٹھایا تھا اور میں ہر حال میں یہ شادی کروں گا۔"

"خبردار! میری بہن کا نام لیا تو؟" رضا نے اُس کا گریبان پکڑ لیا۔ "تیرا سایہ بھی میں اپنی پاکیزہ بہن پر نہیں پڑنے دوں گا۔"

"اچھا!" اس نے جھٹکے سے گریبان چھڑایا۔ "کیا تجھ جیسے بھائی کی بہن پاکیزہ ہو سکتی ہے۔ شکر کر کہ میں نے رشتہ بھیج دیا۔ ورنہ کون پوچھے گا۔"

"آ۔ ذر۔" بھرپور پانچوں انگلیوں کا گھونسا اُس کے شانے پر پڑا۔ وہ دیوار سے ٹکرا کر نیچے گر پڑا۔

اس سے پہلے کہ آذر اُٹھ کر حملہ کرتا۔ اندر سے دلاور نکل آیا۔

"تم۔ یہاں کیا چکر ہے یہ؟"

"سمجھاؤ اُسے استاد! اپنی کھال میں رہے۔ ورنہ میں حشر کر ــــــ دوں گا۔ کون ہوتا ہے یہ میرے گھر کی جانب دیکھنے والا۔" رضا نے خونخوار نگاہوں سے دیکھا۔

"میں تیری بہن کو اٹھوا لوں گا۔ میری منگیتر ہے وہ؟" وہ اسی انداز میں بولا۔ رضا اُس کے انداز پر جھپٹ پڑا۔

ایک بار پھر دونوں میں اچھی خاصی ہاتھا پائی ہو گئی۔

"کیا۔ کیا معاملہ ہے یہ؟" دلاور نے دونوں کو الگ کیا۔

پھر وسیع نے اسے مختصراً سارا معاملہ بتا دیا۔

"سمجھا دینا استاد! اس بدمعاش کو۔"

اس کے بعد رضا رُکا نہیں۔ باہر نکل گیا۔ وسیع نے بھی اُس کی تقلید کی۔

"یہ کیا کھڑاک پھیلایا ہے تُو نے۔" دلاور آذر کے سامنے آ بیٹھا۔ وہ آستین سے منہ صاف کرتے ہوئے استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"سالا شریفوں کی اولاد بنتا ہے۔ ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ۔ یاد کرے گا۔" وہ بڑبڑایا۔

"کیا ضرورت تھی اُس کے گھر رشتہ بھیجنے کی۔"

"شریف کو شرافت سکھانا چاہتا تھا۔ عقل آ گئی ہو گی۔"

"کس بات کا بدلہ لیا ہے تُو نے اس سے؟"

"اُس نے میرے منہ سے نوالہ چھینا تھا۔ میں

اُس کا سکون ہی چھین لوں گا۔"

"جنگل ہے تو بھی۔ کوئی تجھے نہیں بچا سکتا۔ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے تجھے۔"

"ناراض ہو گیا استاد!" آذر یوں ہنسا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

"اور نہیں تو کیا۔ اپنے دھندے میں ایسی فضول باتوں کی گنجائش نہیں۔"

"چل چھوڑ استاد! یہ تیرا معاملہ ہے۔ ابھی کی چائے منگوا۔"

وہ صوفے پر پھیل گیا۔

"دیکھ آذر! وہ فطرتاً شریف انسان ہے۔ اچھا ہوا جلد ہی یہاں سے نکل گیا۔ وہ یہ سب زیادہ دن نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے اُس کی زندگی گزارنے دے تو نے رہنا ہے تو رہ ورنہ جا۔ اُسے پریشان نہ کر۔"

"بڑا خیال ہے اُس کا۔"

"مجھے تیرا بھی خیال ہے۔ لیکن تو سمجھتا نہیں۔"

وہ صوفے پر پڑا آنکھیں موندے مسکراتا رہا۔ اُس کا شیطانی دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ رضا کو ایک اور گھاؤ۔ ایک اور چوکا دینے کے لیے۔ کسی نصیحت کا اُس پر اثر نہ تھا۔

وہ اپنی ہی کرتا تھا۔ کسی کی سنتا تو آج باپ کا بزنس سنبھالتا۔ لیکن بعض لوگ ہوتے ہیں اتنے بدنصیب جن کو سب کچھ میسر ہوتا ہے لیکن پھر بھی ناشکرے ہوتے ہیں۔

دلاور کو احساس تھا۔ آذر نے اس کے آگے بے روزگاری کا جو رونا اُس نے رویا تھا درحقیقت ایسا نہیں تھا۔

وہ تو کالا دھندا کر کے گورے لوگوں میں شامل ہونا چاہتا تھا۔ اسے زندگی میں تھرل چاہیے تھی۔ اور یہ تھرل اسے جرائم کی راہ پر لے آئی تھی۔

---

"امی! پریشان کیوں ہوتی ہیں۔ ایک در بند ہوتا ہے تو دوسرے کتنے در کھل جاتے ہیں۔ انشاء اللہ باجی کا بہت اچھی جگہ رشتہ ہو گا۔"

کتنی خوشیاں تھیں اُس کے چہرے پر۔ اب کیسے کملا کر رہ گیا تھا۔

"یا اللہ کب میری بیٹی کا نصیب کھلے گا۔ کتنی آزمائش کے دن اور کاٹنے ہیں۔" رضا نے انہیں شانے سے لگا لیا۔

"حوصلہ رکھیں امی! کیوں دکھی ہوتی ہیں۔ اچھی امید رکھیں۔ خدا سے مانگیں۔ انشاء اللہ سب اچھا ہو جائے گا۔"

ابو بھی بیمار ہے تھے۔ مگر ماں کے دل کو قرار مل سکتا تھا۔

"امی! آپ آپی کی شادی کی تیاریاں کریں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے اپنے رومال سے ان کے آنسو پونچھے۔ پانی پلایا۔

"شکر کریں۔ ہم لوگ بڑی رسوائی سے بچ گئے۔ جتنا اللہ کا شکر کریں کم ہے۔"

اس حادثے نے گھر کی فضا کو خاصا بوجھل کر دیا تھا۔ لیکن رضا اپنے بلند قہقہوں اور پُر لطف باتوں سے دوبارہ سب کو ریلیکس کرنے کی کوشش میں تھا۔

---

شادی میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا، جب وسیع نے کہا۔

"باجی کی شادی کا کیا ہوا؟ کیا صرف ریحانہ باجی کی شادی ہے؟"

"ہاں۔ اتنی جلدی متبادل بر ڈھونڈنا خاصا مشکل ہے۔"

"ایک رشتہ ہے میری نظر میں۔"

"کون؟ کیسے لوگ ہیں؟"

"کالج میں پروفیسر ہے۔ اچھی فیملی ہے۔ امی کے جاننے والے ہیں۔ ہمارے گھر رشتہ لے کر آئے تھے لیکن ہما اس کے لحاظ سے بہت کم عمر ہے۔ اس لیے انکار کر دیا۔"

"کیا وہ لوگ ہمارے ہاں راضی ہو جائیں گے؟"

"ہاں، ہم لوگوں نے ذکر کیا تھا، وہ تیار ہیں۔

"لیکن ایک مسئلہ ہے۔ پروفیسر صاحب پہلے سے شادی شدہ ہیں۔ ایک بچہ بھی ہے۔ روڈ ایکسیڈنٹ میں اُن کی وائف کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔"

"اوہ..."

"وہ کسی شریف اور گھریلو لڑکی سے عقدِ ثانی کے خواہش مند ہیں۔ ان کی والدہ معذور ہیں۔ دوسرا بھائی خود غرض گھر والی کا ہو گیا۔ ملازمہ کبھی آتی ہے کبھی گول دے جاتی ہے۔"

وسیع نے خاصی تفصیل سے بتایا۔

"ٹھیک ہے پہلے مجھے ملوا دو پھر کل گھر لے آنا۔ تیاریاں تو ساری ہیں۔"

"چلو پھر ابھی چلو۔" وسیع کھڑا ہو گیا۔

پروفیسر عابد حقیقت میں اچھے انسان لگے چہرے پر خاندانی شرافت کے آثار تھے۔ اخلاق عمدہ۔ خندہ پیشانی سے ملے۔ رضا کو وہ بہت پسند آئے۔

رضا نے گھر جا کر امی۔ ابو کو یہ خوشخبری سنائی۔

"بیٹا اتنی جلدی!" جہاں آرا فکر مند تھیں۔

"بس امی! جب خدا راہیں کھولتا ہے تو منزلیں خود بخود راستہ بنا لیتی ہیں۔ کل آئیں گے اُن کے گھر والے۔" رضا بہت خوش تھا۔

"کل تو ریحانہ کی مایوں ہے۔"

"کوئی بات نہیں مایوں کی تقریب میں بھی شریک ہو جائیں گے۔"

لیکن قدرت کو شاید ابھی اس کا امتحان لینا تھا یا شاید اس کے اپنے گناہوں کا کفارہ اسی دنیا میں ادا کرنا تھا۔ ایک امتحان سے گزر گیا تھا۔ دوسری آزمائش نے گھیر لیا۔ اور وہ گنگ تھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

اتنا بے خبر تو وہ کبھی نہیں سویا۔ وہ تو کسی بھی رات سے غافل نہیں تھا پھر ابو تو تمام رات جاگتے ہیں۔ یہ۔ یہ کیا ہو گیا۔

رات ڈاکوؤں نے اس کے گھر میں شب خون مارا تھا۔ اور شادی کے گھر سے سب کچھ لے گئے تھے۔ جانے کیسی گیس کا اسپرے کیا تھا کہ سب سوتے رہ گئے۔ اور وہ سب کچھ لوٹ کر لے گئے۔

گیس کا اثر زائل ہوا تو وسیع جھنجوڑ جھنجوڑ کر اٹھا رہا تھا۔

"و۔ وسیع۔ وسیع!" بچوں کی طرح اُس کے شانے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ شادی تیار تھی اور۔ اور سب کچھ۔ سب کچھ ختم ہو گیا۔ جہاں آرا کو سکتہ ہو گیا۔ سب بہنیں گم صم ریاض احمد گنگ۔

یہ ایسا سانحہ تھا فوری طور پر سدِباب نہیں ہو سکتا تھا۔

"آذر۔ یہ تو نے اچھا نہیں کیا۔ میں معاف کر دوں گا تو بھی خدا۔ خدا اس زیادتی کو معاف نہیں کرے گا۔

تو نے انتقاماً ایسا کیا ہے۔ ورنہ شب خون تو ہم لوگ غریبوں کا حق مارنے والے پر مارتے تھے یہ۔ یہ تو نے کیا کیا کم ظرف انسان۔

منہ کا نوالہ چھیننے کی اتنی بڑی سزا۔

اتنا بڑا کفارہ۔ خدا تجھے معاف نہیں کرے گا۔

---

آج ریحانہ کی مایوں تھی۔ ریحانہ کی ساس اور نندیں اندر آ رہی تھیں۔ مہندی۔ ابٹن کے تھال۔ پھولوں کے ہار۔ بری کا صندوق۔

"اتنا کچھ ہو گیا بہن! اور ہمیں اطلاع ہی نہیں دی۔" ریحانہ کی ساس نے انہیں شانے سے لگا لیا۔ آنسو تو ایسے بہہ رہے تھے کہ اب نہ رکیں گے کیسے ان پر بند باندھتیں۔

"معلوم نہیں کس کی نظر اس گھر کی خوشیوں کو کھا گئی۔ کب میں نے کسی کا بُرا چاہا تھا۔"

"بس بہن! دنیا اسی کا نام ہے۔ خدا اپنے بندوں کی آزمائش اسی طرح سے کرتا ہے حوصلہ رکھیں آپ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔" انہوں نے تسلی و تشفی کے پھاہے رکھے۔

"کیسے حوصلہ کروں۔ کل شادی ہے اور گھر میں صفایا ہو گیا۔"

"خدا جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ جو چاہیے۔ وہ ہم لے جائیں گے۔ جاؤ نگہت ریحانہ کو لے کر آؤ۔ شادی کی تاریخ آگے نہیں ہو گی۔ یہ بدشگونی ہے۔" ریحانہ کی ساس نے تسلی کا پھاہا رکھ کر بیٹی کو حکم دیا۔

جہاں آرا بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ تب ہی نگہت اور مریم، ریحانہ کو لے آئیں۔ پیلا جوڑا پہنا دیا تھا۔ سر پر سرخ دوپٹہ اڑھا دیا۔ بسم اللہ کہہ کر ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھا لیا۔ پیشانی چومی۔ اور ابٹن لگا کر پھول پہنا دیے۔ ساتھ آئی ہوئی باقی خواتین نے تقلید کی۔

جہاں آرا اور باقی گھر والے انگشت بدنداں تھے۔

ساتھ پڑوسی، رشتہ دار سب مایوں میں آئے تھے۔ وہ اس اعلا ظرفی اور محبت پر حیران بھی تھے اور شکر بھی ادا کر رہے تھے۔

ورنہ جہاں سے کچھ ملنے کی توقع نہ ہو وہاں کون جھانکتا ہے۔ بھری محفل سے اٹھ جاتے ہیں۔

"یہ لو بہن! یہ غریب غربا کو دے دینا۔" ریحانہ کے سر سے اتارتے ہوئے پیسے جہاں آرا کی بند مٹھی کھول کر تھما دیے۔ اور وہ ہوش میں آگئیں۔ بے اختیار ان کے شانے سے لگ کر رو دیں۔

یہ آنسو شکرانے کے تھے وہ اپنے رب کا شکر ادا کر رہی تھیں۔

سوگ والے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ بہن؟" پروفیسر عابد کی والدہ سائرہ بیگم نے خندہ پیشانی سے مسکرا کر اپنا مدعا بیان کیا۔ وہ بھی تھوڑی دیر پہلے آئی تھیں۔

"بہن! میری طرف سے تو ہاں ہے، آگے جو خدا کو منظور۔" جہاں آرا نے اللہ پر بھروسا کر کے رضامندی دے دی۔

"پھر آپ ہمیں دے رہی ہیں ریحانہ کے ساتھ ہی رخصتی؟"

"آپ تو سب کچھ جانتی ہیں۔ اب تو خالی ہاتھ ہوں۔ ظالم لوگ سب کچھ لے گئے۔" جہاں آرا کے لہجے میں تاسف، دکھ، رنج و ملال کی کیفیت نمایاں تھی۔

"میں نے کہا ناں، اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ صرف ہمیں بیٹی چاہیے۔"

"میں فاطمہ کے والد سے مشورہ کر لوں۔" وہ اٹھ کر اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

ریاض احمد کے ساتھ ہی رضا، وسیع، ان کے بھائی فیاض احمد اور جیٹھ ادریس بیٹھے تھے۔ انہوں نے سائرہ بیگم کا رشتہ سامنے رکھ دیا۔

چند ثانیے کو سب خاموش ہو گئے۔

جانے کیوں ابھی بھی مبہم سی امید، ملہم سی آس باقی تھی کہ فیاض احمد کہیں گے۔ فاطمہ ہماری ہے۔ ادریس بھائی کہیں گے کہ میری بیٹی کو کوئی اور نہیں لے جا سکتا ہے۔

لیکن بعض امیدیں صرف ٹوٹنے کے لیے ہی ہوتی ہیں۔

"وسیع! تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

"انکل! پروفیسر عابد بہت اچھے انسان ہیں۔ اگر عمر کا فرق نہ ہوتا تو میں ضرور ہما کے لیے اس پروپوزل کو قبول کر لیتا۔"

"ٹھیک ہے بیگم! تم ہاں کر دو اور یہ ضرور بتا دینا اب ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اسب کچھ وہ ظالم لوگ لے اڑے" ان کے لہجے میں اشکوں کی آمیزش تھی۔

جہاں آرا اپنوں کی کم ظرفی پر ماتم کرتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

اتنے اچھے اور مخلص لوگ ملے تھے کہ انہوں نے ہاں کرنے میں ذرا تامل نہیں کیا۔

یوں ریحانہ کے ساتھ ہی فاطمہ کو بھی مایوں بٹھا دیا گیا۔

خدا ایک در بند کرتا ہے تو سو در کھول دیتا ہے، پھر یہ در تو ایسے تھے کہ اس میں داخل ہو کر ان کی بیٹیوں نے ہمیشہ خوش و خرم رہنا تھا۔

مہمانوں کے جانے کے بعد فیاض احمد اور ادریس بھائی نے کہا کہ جس چیز کی ضرورت ہو بتاؤ۔ میں بینک چیک کاٹ دیتا ہوں۔"

"مجھے کسی بھیک کی ضرورت نہیں ہے۔ ان لڑکیوں کے باپ اور بھائی نے مل کر ایمانداری اور خلوص سے جو کچھ جمع کیا تھا۔ وہ ان کا نصیب نہیں ہے تو اب کسی اور طرف کیا دیکھنا۔" جہاں آرا نے رکھائی سے کہا تو دونوں شرمندہ ہو گئے۔ جانے

تھے کر وہ کیوں ناراض ہیں۔

"بھابی! آپ ناراض ہیں؟"

"نہیں میں کیوں ناراض ہونے لگی، جو میری بیٹی کا نصیب تھا مل گیا۔ اللہ آپ لوگوں کو خوش رکھے۔"

"میں دانیال کے لیے عائشہ کا ہاتھ مانگتا ہوں۔" ادریس بھائی نے کہا۔

"نہیں بھائی! اب میں نے اپنی کسی بیٹی کو خاندان میں نہیں دینا۔ آپ لوگوں نے میری بیٹیوں کا سلیقہ، حسن و سلوک، اخلاق، مروت نیکی نہیں دیکھی صرف صورت دیکھی۔ ریحانہ اور فاطمہ کم صورت تھیں۔ اس لیے آپ کو ان کا خیال نہیں آیا۔"

آج ان کے اندر کا سارا غصہ نکل گیا تھا۔ شوہر کو بھی بولنے کا موقع نہیں دیا۔ انہوں نے شرمندگی سے سر جھکا دیے۔ ان کی ناراضگی، غم و غصہ بجا تھا۔

شادی میں تین دن تھے۔ جو کچھ بینک میں تھا وہ نکال کر انہوں نے بس کپڑے بنا دیے۔ چھوٹا موٹا جو زیور تھا وہ دونوں بہنوں کو برابر برابر دے دیا۔ ان کا نصیب ہی یہ تھا۔

---

"خدا پر بھروسا کریں تو وہ یوں سیراب کر دیتا ہے۔"

وسیع نے رضا کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"ایک بات نوٹ کی تو نے؟"

"کیا؟"

"حرام کی کمائی کا ایک پیسہ بھی تیری بہنوں کو نہ لگ سکا۔ خدا نے خود ہی سارے راستے ہموار کر دیے۔ سارے اسباب پیدا کر دیے۔"

"اوہ!" اس کے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا۔

اس نہج پر تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا واقعی جو کچھ بھی جہیز بنایا گیا تھا۔ وہ اس کے پیسوں سے بنایا تھا۔ البتہ پنشن تو ساری بینک میں رکھی رہ گئی تھی۔ جو اب کام آ رہی تھی۔

اس نے بصدق دل سے سجدہ ریز ہو کر اک بار پھر اپنے کردہ گناہوں کی معافی مانگی اور ان گنت نوافل ادا کیے۔

---

بخیر و خوبی دونوں بہنیں رخصت ہو گئیں۔

پروفیسر عامر اور اقبال دونوں ریحانہ اور فاطمہ کے لیے بہت اچھے شوہر ثابت ہوئے۔ ان کی خوشی، سکون اور اطمینان کا اندازہ ان کے چہروں سے بآسانی کیا جا سکتا تھا۔

اب زندگی بہت پرسکون اور شادمان ہو گئی تھی۔ ذرا سکون ملا تو وہی شبیہ پھر سے ذہن کے پردے پر نمودار ہو گئی۔ جس کو وہ مصروفیات کی بنا پر بھول بیٹھا تھا۔ وہ اس سلسلے میں وسیع سے بات کرنا چاہتا تھا۔

لیکن ان دنوں وسیع بہت مصروف تھا۔ اس کی دو بہنوں کی شادی تھی۔ رشتے اچانک ہی طے ہو گئے تھے۔ دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں جا رہی تھیں۔

رضا نے اس کی شادی کی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

انہی دنوں جہاں آرا نے رضا کے لیے لڑکیاں دیکھنی شروع کر دیں۔

"ابھی نہیں امی! ابھی میں کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی عائشہ اور طاہرہ ہیں۔" رضا نے عذر پیش کیا۔

"وہ تم سے بہت چھوٹی ہیں بیٹا! بس اب تمہارا گھر بسے گا تو ان کی ہو گی۔ اچھا رشتہ ملتا ہے تو بات طے کر دیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے امی! میں سوچ کر جواب دوں گا۔" اس نے ٹال دیا۔

دوسرے دن وہ وسیع کے سامنے بیٹھا تھا۔

"یار! امی کو سمجھاؤ۔ میری شادی کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ تجھے کاہے کا تردد ہے؟"

"یار! میں وہ۔ میرا مطلب ہے کہ" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیا میں۔ وہ سیدھے سیدھے بات کرو۔" وسیع نے شریر سی مسکراہٹ سے کہا۔ وہ بھانپ گیا تھا۔ رضا کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

رضا نے اُس کی مسکراہٹ کو دیکھ لیا۔ تاک کر گھونسا مارا۔

"تو پھر کچھ ہاتھ پیر ہلا۔ مجھ سے کیا کہہ رہا ہے۔" وسیع نے شانہ سہلاتے ہوئے کہا۔ "شادی مجھے کرنی ہے یا تجھے۔"

"شادی تو مجھے ہی کرنی ہے لیکن کام تجھے کرنا ہوگا۔" اس نے شانِ بے نیازی سے کندھے جھاڑے

"چل اُٹھ پھر تیرا کام کرتے ہیں۔" وہ کھڑا ہوگیا۔

رضا نے بھی تقلید کی۔

لیکن تین روز کی شبانہ روز جدوجہد کے بعد انہیں سخت مایوسی ہوئی۔ وہ لڑکی اس گھر سے جا چکی تھی۔

وسیع نے اُسی بنگلے کے نوکر کرم داد سے دوستی کرلی تھی۔ جان بوجھ کر بائیک کو اس سے ٹکرا دیا۔ پھر رستے ہوئے زخموں کو دیکھ کر فوراً معذرت کی۔ ہاسپٹل لے گیا۔ مرہم پٹی کروائی ساتھ ہی جیب میں کچھ نوٹ ڈال دیے پھر دوسرے دن اُس کی خیریت معلوم کرنے گیا۔

اُس کی پشیمانی دیکھ کر کرم داد بچھ بچھ گیا۔ اُس نے ہی بتایا کہ وہ یہاں برسوں سالوں سے ملازم ہے گھر کے افراد کے متعلق بتایا۔ وسیع نے کرید کرید کر اس واردات کے متعلق پوچھا۔ جو انہوں نے کی تھی۔

"وہ تو جی بہت المناک حادثہ تھا۔ بھلائے نہیں بھولتا۔"

"کیا ہوا تھا کرم داد؟ میں صحافی ہوں۔ فیچر لکھوں گا اس پر۔" اس نے معصومیت سے کہا۔

"اُس دن صرف بی بی گھر پر تھیں۔ صاحب لوگ بی بی کو کہیں لے کر نہیں جاتے تھے —— وہ ان کے کسی جاننے والے کی بیٹی تھیں ان کے ماں باپ فوت ہو چکے تھے ازراہ ہمدردی صاحب اسے گھر لے آئے۔ بیگم صاحبہ نوکروں کی طرح کام لیتی تھیں اُن سے۔ بے چاری اُف نہ کرتی تھیں۔

جس دن ڈاکہ پڑا۔ اس روز بی بی کو چھوڑ کر سب شادی میں گئے تھے۔ اتفاق تھا کہ میں بھی نہیں آیا تھا۔ چوکیدار کو انہوں نے بے ہوش کر دیا تھا۔ وہ سب کچھ لے گئے۔ گھر والے آئے تو بی بی بے ہوش پڑی تھیں۔ لاکر خالی دیکھ کر بیگم صاحبہ نے تو بی بی کو ہی ڈانٹنا مارنا شروع کر دیا۔ وہ لاکھ کہتی رہی کہ اسے کسی بات کی خبر نہیں۔ انہیں بے ہوش کر دیا تھا۔ مگر۔ بیگم صاحبہ بہت سخت دل عورت ہیں۔ انہیں اعتبار نہیں آیا۔ سارا الزام اس پر لگا دیا کہ تو نے اپنے ہوتے سوتے جاننے والوں جاننے والوں کو راہ دکھائی، اور سارے گھر کا صفایا کرا دیا۔ بی بی نے مدد کے لیے صاحب کو دیکھا۔ مگر صاحب نے منہ پھیر لیا۔ بی بی روتی رہیں مگر بیگم صاحبہ کو ترس نہ آیا۔

رہی سہی کسر تیمو ایک فون نے کر دی جانے کون شخص تھا جو فون پر بی بی سے کہہ رہا تھا اب کچھ تو حاصل ہو گیا اب کب آ رہی ہو۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔ بس بی بی جی تو آپے سے باہر ہو گئیں۔ دھنک کر رکھ دیا بی بی کو، بتا چوری کس سے کروائی ہے کون سے یار سے ڈاکہ ڈلوایا ہے۔ بی بی مار کھاتی رہی روتی رہی لیکن اُس کی ایک نہ سنی گئی انہیں کسی ڈاکو کا علم ہوتا تو بتاتیں۔

"نہ بتا ٹھہر۔ میں تیرا بندوبست کرتی ہوں۔"

اُسی وقت اُنہوں نے زنانہ پولیس کو فون کیا۔ دس الزام اور لگا دیے وہ دن اور آج کا دن بی بی کا پتا ہی نہ چل سکا۔ جیل میں کس حال میں ہے ایک دو بار پیشی پر ملنے گیا تھا میں۔ لیکن وہ تو جیسے بولنا بھول گئی ہے۔ زبان جیسے کاٹ دی ہے کسی نے۔ جانے کس کم بخت کا فون تھا۔ وہ کیا چاہتا تھا۔ ایسی معصوم بچی کو دربدر پھرا دیا۔ خدا کبھی معاف نہیں کرے گا۔ جب تک وہ زندہ

رہے میری دعا ہے کہ سکون کو ترسے۔ ظالم اور درندہ وحشی۔"

کرم داد نے دامن پھیلا کر بد دعا دی۔

اور وسیع ندامت، شرمندگی، پشیمانی سے زمین میں گڑ گیا۔

وہی تو مجھے زخم لگانے والے۔ ظالم درندے وحشی۔

"اب کب پیشی ہے۔ عدالت میں؟"

"اب تو بی کتنے مہینے ہو گئے۔ بی بی ایک لفظ نہیں بولتی۔ جیسے کسی نے زبان کاٹ دی ہو، گھر والے بھی بھول گئے ہیں اب تو۔"

"کیا نام ہے تمہاری بی بی کا؟"

"لالہ رخ: سب انہیں لالہ کہتے تھے۔ آپ کا بہت احسان ہو گا جی آپ انہیں جیل سے باہر لے آئیں۔ میں جانتا ہوں، وہ بے قصور ہیں۔ میرا دل گواہی دیتا ہے۔ وہ بے گناہ ہیں۔ آپ تو بہت اچھے ہیں۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے گا جی۔ میرا یہ کام کر دیں۔ میں ساری زندگی آپ کا احسان مند رہوں گا۔"

"ہاں کرم داد! میرا خیال یہی ہے کہ وہ بے گناہ ہیں۔ میں ضرور مدد کروں گا۔" وسیع نے اس کے ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

کرم داد تشکر سے اسے دیکھنے لگا۔

لفظ بہ لفظ اس نے رضا کو بتا دیا۔ رضا تو یوں تھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔ ہکا بکا۔ ہونق۔ گنگ جیسے کسی نے زبان کاٹ دی ہو۔ اس کا بار بار اسے محسوس کرنا ایسے ہی نہ تھا۔

اس کی چھٹی حس ایسے ہی اسے بار بار خبردار نہیں کر رہی تھی۔

یوں ہی تو وہ بے قرار نہیں تھا۔

کیسی سزا کاٹ رہی تھی اس جرم کی اس نے وہ بے خطا معتوب ہوئی۔

"اف میرے خدا۔ مجھے معاف کر۔"

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ کس قدر خطاوار ہے وہ اور کس سکون سے رہ رہا تھا۔

سب سے پہلے انہوں نے ایک اچھے اور نامور وکیل کا بندوبست کیا۔

اس کو یہ بتایا کہ رضا اس لڑکی کو پسند کرتا تھا۔ لیکن باہر جانے کی وجہ سے رشتہ نہیں بھیج سکا اور نہ لڑکی پر اپنی محبت واضح کر سکا۔ اب اتنے سالوں بعد واپس آ کر دوبارہ اس لڑکی سے رابطہ کرنا چاہا تو اس لڑکی پر جھوٹا الزام لگا کر جیل میں بند کروا دیا گیا ہے۔

وکیل راشد گیلانی اس کی اتنی گہری محبت سے بہت متاثر ہوا۔ ویسے بھی اخلاقی کاموں میں اس کا دل بہت لگتا تھا۔ ایسے کیس اکثر کرتا رہتا تھا۔ خدمت خلق کے طور پر۔

جیل میں جا کر اس سے ملا۔ اور اس کی حالت زار نے سر سے لے کر پاؤں تک چیخ چیخ کر اعلان کر دیا کہ وہ بے گناہ ہے۔ وہ جیل کے لباس میں تھی۔ سفید چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔

چہرے پر اتنا نور تھا کہ نگاہ نہیں ٹھہر رہی تھی۔ ہر سوال پر وکیل کو دیکھتی رہی جواب نہیں دیا۔

"بی بی! جواب دو نا۔ اسی میں تمہاری ہی بھلائی ہے۔ یہاں سے رہائی پاؤ گی۔ عزت سے زندگی گزارو گی ساری عمر تو یہاں نہیں رہ سکتیں تم۔"

"عزت سے۔" اس کے لہجے میں حقارت تھی۔ "جیل سے نکلنے والے کسی شخص کو خاص طور پر لڑکی کو عزت مل سکتی ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ بشرطیکہ وہ بے گناہ ہو۔"

"اس بات کا ثبوت کون دے گا۔ کہ میں بے گناہ ہوں۔"

"تم۔ تم خود دو گی اپنی بے گناہی کا ثبوت۔"

"کون یقین کرے گا؟" اس کے لہجے میں کرب تھا۔

"میں۔ میں یقین دلاؤں گا سب کو۔" راشد گیلانی نے عزم سے کہا۔

"لیکن: مجھے کسی کے یقین کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہاں خوش و مطمئن ہوں، اور سکون سے رہ رہی ہوں۔ باہر میرا کوئی منتظر نہیں۔ کوئی نگہبان نہیں۔ میں بالکل اکیلی ہوں۔ میری کسی کو ضرورت نہیں ہے۔" اس کی نگاہوں میں اجنبیت تھی۔

"آئندہ کبھی مت آنا ادھر۔" وہ کھڑی ہو

گئی۔

"اور جو صدیوں سے منتظر ہے۔ اُس سے کیا کہوں؟" اس کے قدم رُک گئے۔

"کون؟" اس نے بے یقینی سے دیکھا۔

"وہ جس نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔"

"لیکن میرا تو کوئی نہیں ہے۔"

"کسی کا کوئی نہ کوئی ضرور ہوتا ہے۔ وہ بھی مدت سے محوِ انتظار ہے۔"

"نوید!" اس نے زیرِ لب کہا۔ مگر وہ تو بیچ راستے میں قصوروار کہہ کر راستہ بدل گیا تھا۔

"پھر پھر کون؟"

"میں گناہگار ہوں چور ہوں۔ باہر کوئی بھی میرا منتظر نہیں ہے۔ جا کر کہہ دینا۔"

"لیکن وہ تو محبت کا دعوے دار ہے؟"

"جھوٹ ہے۔ جھوٹ ہے مت دو ایسے بہلاوے۔ محبت فانی ہے عشقِ حقیقی امر ہے۔ کسی کو کسی سے محبت نہیں ہے۔ سب مایا ہے۔"

وہ ایسے بولی جیسے دماغ اُلٹ گیا ہو۔ اُلٹے قدموں واپس پلٹ گئی۔

جیل کی وارڈن نے بتایا اُس کی یہ ہی حالت ہے۔ اوّل تو اپنے بارے میں ایک لفظ نہیں بولتی۔ عدالت بھی جاتی تھی تو گنگ رہتی تھی۔ جیسے منہ میں زبان نہ ہو۔ جیل کی چار دیواری میں خوش رہتی ہے کبھی اس کی ملاقات نہ آئی۔ اور جنہوں نے پکڑوایا تھا۔ اُنہوں نے بھی خبر نہ لی۔"

راشد گیلانی تاسف سے سوچتا رہ گیا۔

"اب تو کوئی پوچھتا بھی نہیں ہے۔ اس لیے کیس ٹھنڈا ہو گیا۔ اب تو وہ جیل کے در و دیوار سے اتنی مانوس ہو گئی ہے کہ نکلنا بھی نہیں چاہتی۔ ہر جانب اُس نے ہریالی پھیلا دی ہے۔ اَن پڑھ عورتوں کو پڑھاتی ہے اور۔ اور اب تو وہ خود بھی قرآن پاک حفظ کر رہی ہے۔"

اس کے کیس پر مزید بات چیت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ خود نہیں چاہتی۔ ایک طرح سے وہ باہر کی دنیا سے قطع تعلق —— کر چکی ہے۔

"لیکن اُسے یہ لاتعلقی ختم کرنا ہوگی۔ یہ بے اختیاری کی زندگی ختم کرنا ہوگی۔ اس کا کیس دوبارہ سے عدالت میں چلے گا۔ باہر کی دنیا میں ایک شخص اُس کا منتظر ہے۔ اُسے لوٹنا ہوگا۔ سمجھا دیجیے گا لالہ رُخ کو۔"

"او کے۔ میں کوشش کروں گی۔" جیل کی وارڈن نے اثبات میں سر ہلایا۔

راشد گیلانی باہر نکل گیا۔

یہ سب سن کر رضا گنگ ہو گیا۔ "اتنی بڑی سزا۔ اتنی کڑی آزمائش۔ یا خدا۔ یا خدا۔

یا خدا ابھی سزا ختم نہیں ہوئی۔ ابھی گناہ دھلے نہیں —— ابھی دُعائیں قبول نہیں ہوں گی۔

ابھی میں نے بے گناہی کی چادر نہیں اوڑھی۔ بے شک تو مجھے معاف نہیں کرے گا۔ جب تک میں تیرے بندوں کو دیے ہوئے دُکھوں کا ازالہ نہیں کروں گا۔

میری مدد فرما۔ اے خدا میری مدد فرما۔"

رضا جیسا مضبوط اعصاب کا شخص پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

وہ تو سمجھ رہا تھا خدا نے اس کے سب گناہ معاف کر دیے۔

لیکن ابھی احساسِ ندامت، احساسِ ذلت تو زندہ تھا۔

راشد گیلانی نے کیس دوبارہ داخلِ عدالت کر دیا۔ اُس کے رشتہ داروں کے نام سمن جاری کیے گئے۔

لیکن نہ وہاں سے کوئی جواب آیا اور نہ ہی لالہ رُخ نے پذیرائی کی۔

اس نے صاف کہہ دیا تھا "وہ جرائم پیشہ ہے۔ اُس نے گناہ کیا ہے۔ وہ اپنی سزا میں تخفیف نہیں چاہتی۔

ساری عمر ان دیواروں کے پیچھے گزار دینا چاہتی تھی۔ کوئی اُس کا منتظر نہیں ہے باہر۔ اس کا ایک ہی مؤقف تھا۔

"اُف میرے خدا! وہ تو کسی طور ماننے کو تیار نہیں۔ میرا خیال ہے رضا صاحب آپ خود ملیں اور اُسے راضی کریں۔ وہ کسی بھی ایسے بندے

کے متعلق نہیں سننا چاہتی جو اس سے محبت کا دعوے دار ہے۔"

رضا نے وسیع کی جانب نگاہ کی۔

"میرا خیال ہے کہ وکیل صاحب درست کہہ رہے ہیں۔"

"لیکن میں فی الحال اُس سے ملنا نہیں چاہتا۔"

"کیوں؟" تعجب سے انہوں نے پوچھا۔

"میں صرف اُس سے ایک بار ہی ملنا چاہتا ہوں۔ جائز حق کے ساتھ اُس سے وسیع ملنے گا بھائی بن کر۔"

"پھر آپ کا خیال کیا ہے؟" اُنہوں نے وسیع سے پوچھا۔

"کر لیتا ہوں جو یہ کہہ رہا ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے وہ مانے گی نہیں۔ ہر چیز پر سے اُس کا اعتبار اُٹھ چکا ہے۔ ایسا کریں کہ اس کو اس بات پر راضی کرتے ہیں کہ وہ عدالت میں اپنا کیس خود لڑے۔ اور باعزت بری ہو کر وہ ہوسٹل میں رہے۔ چاہے تو جیل میں جاب کر سکتی ہے یا کسی اور رفاہی ادارے میں۔"

"ہوں۔ یہ ہو سکتا ہے۔" اُنہوں نے راشد گیلانی سے اتفاق کیا۔

"دراصل اُس کا ذہن بدلنا ہوگا۔ وہ اپنوں کی ڈسی ہوئی ہے۔"

"تم ایک بار مجھے مل جاؤ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" عزم سے سوچا۔

---

انسپکٹر رضیہ نے لالہ رُخ کو بہت کہا کہ اُسے یہاں سے باعزت رہا ہونے کے لیے مقدمہ لڑنا چاہیے۔ اپنی مدد آپ کرنا چاہیے۔ بے گناہ ہے تو سزا کیوں کاٹے۔ پھر ہوسٹل میں رہائش اختیار کرنے۔ چاہے تو پھر اسے جیل کی جاب بھی دلائی جا سکتی ہے۔"

"ایسے ہی کیوں نہیں؟" اس نے بے بسی سے سوال کیا۔

"تم اتنی اچھی ہو کر کوئی بھی تمہیں لائف پارٹنر بنا سکتا ہے۔ باہر نکل کر کامیاب زندگی کی ابتدا کر سکتی ہو۔"

"لیکن میں کوئی نئی زندگی شروع نہیں کرنا چاہتی۔ ہر چیز پر سے میرا اعتبار اُٹھ گیا ہے۔"

"لیکن کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جو تمہارے اعتبار کو پھر سے زندہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"کون؟"

"اُس کا کہنا ہے، وہ جب سامنے آئے گا تب تم اسٹینڈ لے کر باہر آ ذگی۔"

"یہاں موجودگی کی وجہ سے وہ شرمندہ ہے جو۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" یکدم انسپکٹر رضیہ سے جواب نہ بن پڑا۔

"پھر پھر سامنے کیوں نہیں آتا؟ دراصل۔ محبت وحبت سب فضول شے ہے ایک شخص اور بھی تھا۔ محبت کا دعوے دار۔" وہ دھیرے سے تھک کر سرگوشی میں بولی۔

لیکن جب اپنوں نے ستم ڈھائے تو وہ چپ کی مہر لگا کر چلا گیا۔ "کیا۔ کیا یہ وہی تو نہیں؟" وہ یک بیک پیچھے ہٹی۔

"نہیں۔ میں اُس سے ملنا چاہتی ہوں۔" یکدم فیصلہ دے دیا۔

"ٹھیک ہے میں ملوا دیتی ہوں۔" انسپکٹر رضیہ نے ہار مان لی۔

"ل۔ لیکن؟" رضا تینوں کو دیکھتا رہا۔

"ہاں وہ بضد ہے کہ وہ اُس شخص کو دیکھے گی ضرور جو اس کی رہائی کا منتظر ہے۔ دراصل اُس نے اپنی زندگی میں اتنے دھوکے کھائے ہیں کہ اب اعتبار و اعتماد کا رشتہ بمشکل ہی قائم کر پائے گی۔"

"ٹھیک ہے وسیع! تم اُس سے ملو گے۔"

"کیوں رضا تم کیوں نہ ملنے پر بضد ہو؟"

"ہو سکتا ہے وہ مجھے پہچان لے اور راستہ بدل لے۔" دھیرے سے کہا۔

"ہوں۔" وسیع نے ثانیے بھر کو سوچا۔ اس بات کا امکان اگرچہ کم تھا۔ لیکن پھر بھی۔

"لیکن ہم لوگ تو۔" وہ کہتے کہتے ایک دم رُک گیا۔ کمرے میں دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔

"ٹھیک ہے۔" وسیع اس سے ملنے پر رضامند ہو گیا۔

وسیع بطورِ خاص وکیل راشد گیلانی کے ساتھ اُس سے ملنے گیا۔

"میں کسی ثانوی رشتہ پر یقین نہیں رکھتی۔ بتایئے کیوں آپ میری رہائی چاہتے ہیں نہ میرے پاس مال و زر ہے، نہ دولت حسن۔ اور نہ ہی میں کسی مل اونر کی بیٹی ہوں اور نہ مستقبل میں اس کا امکان ہے تو پھر؟"

"کچھ رشتے ان تمام چیزوں سے بالاتر ہوتے ہیں اور خلوص کی بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں۔ میں بھی ایسا ہی مخلص شخص ہوں اگر آپ سمجھیں۔" سکون و اطمینان کی نگاہ چہرے پر ڈالی۔

"آپ میرے بارے میں کیسے جانتے ہیں؟"

(ایک اور جھوٹ) دل ہی دل میں خدا سے معافی مانگی۔

"دراصل میرے والد آپ کے والد کے دوست تھے۔ شادی کے بعد وہ اسلام آباد سیٹل ہو گئے۔ آپ کے والد ادھر ہی رہ گئے۔ میں بزنس ٹرپ پر اسلام آباد سے آیا تھا۔ پاپا نے آپ کا ایڈریس دیا۔ مگر آپ وہاں موجود نہیں تھیں۔ پڑوس سے آپ کی رہائش معلوم کی تو وہاں پہنچا۔ اور پھر کرم داد نے جو کچھ سنا اُس نے مجھے بنیادوں تک ہلا کر رکھ دیا۔"

"کرم داد:" شناسا نام پر آنکھیں چمک گئیں۔

"یہ شخص جھوٹا نہیں ہے۔" اس کو فوراً یقین آ گیا۔

"جو کچھ بھی آپ کے ساتھ ہوا۔ مجھے افسوس ہے۔ میں نے پاپا کو کوئی اطلاع نہیں دی۔ اب آپ کو رو برو کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہوں۔" اب کسی اور یقین کی ضرورت نہیں تھی۔

"اب بتایئے۔ کیا مرضی ہے آپ کی؟"

"لیکن میں یہاں سے نکل کر کہاں جاؤں گی؟"

"یہ آپ کے سوچنے کی بات نہیں ہے۔ یہ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

"اوکے:" اُس نے اپنی رضامندی دے دی۔

"تھینک یو!" وسیع نے تشکر سے دیکھا۔

اور پھر وہ جھوٹ لفظاً بہ لفظاً رضا کو سنا دیا۔

"صد شکر۔ وہ راضی تو ہوئی۔" رضا نے اتنے تشکر سے کہا کہ وسیع اسے دیکھتا رہ گیا۔

عدالت میں اُس کا مقدمہ چلا۔ سمن جاری کرنے پر بھی کوئی نہیں آیا تھا۔ اس لیے یکطرفہ فیصلہ سنا کر اُسے با عزت بری کر دیا گیا۔ ارشد گیلانی کی کوشش بھی یہ ہی تھی۔

وسیع اُسے ہاسٹل لے آیا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" اس نے رضا سے پوچھا۔

"سیدھے سیدھے شادی کا۔ تو اگر امی کو بتا کر تیری کزن ہے۔ امی راضی ہو جائیں گی۔" رضا نے سارا پروگرام بتایا۔

"اور وہ جو تجھ سے پوچھے گی۔ میرا باپ اسلام آباد میں رہتا ہے اُس کے پاس نہیں جانا۔" وسیع نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

"ہوں: یہ بات سوچنے کی ہے۔ تجھے کیا ضرورت تھی اسلام آباد کا نام لینے کی۔" رضا نے اسے ہی قصور وار ٹھہرایا۔

"ایسا کر جا کسی اور شہر کا نام ہی لے دے۔ کہہ دینا ابو نے آپ کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری لگائی تھی۔ اس لیے میں نے اسلام آباد کا نام لے دیا۔ مسئلہ ہی ایسا تھا۔"

"یہ آخری جھوٹ ہو گا۔" وسیع نے وارننگ دی۔

"ہاں میری طرف سے آخری پھر جا ہے جتنی مرضی بولتے رہنا۔" شرارت سے مسکرایا۔

جواب میں وسیع گھور کر رہ گیا۔

پھر وہی کیا جو اُس نے کہا تھا۔ اور اُسے اپنے گھر لے گیا کاٹ پیٹ کر ساری داستان سنا دی۔

لالہ رُخ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ابو نے پیار کیا۔ تسلی و تشفی دی۔ گلے لگایا۔

"اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھنا بیٹا!"

"ابو نے کبھی آپ لوگوں کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ورنہ میں پہلے ہی آجاتی۔ اس آزمائش سے نہ گزرتی۔" لالہ رخ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"لالہ رخ! آپ فریش ہو جائیں پھر کھانا کھاتے ہیں۔" وسیع نے کہا۔

"ہاں بیٹی! تم نہا لو۔" وسیع کی والدہ نے محبت سے کہا۔

وہ حنا کی تقلید میں اٹھ گئی۔

"اتنی پیاری ہے۔ میں تو بہو بناؤں گی۔" وسیع کی والدہ صدقے واری ہو گئیں تو وسیع کھانس کر رہ گیا۔

"نہیں امی! یہ امانت ہے رضا کی۔ آپ لوگوں نے صرف اس کے والد کے دوست کا کردار ہی ادا کرنا ہے بہت مظلوم ہے بے چاری اسی لیے یہ جھوٹ بولنا پڑا۔"

وسیع نے سچ سچ بتا دیا۔ اور وہ ٹھنڈا سانس لے کر رہ گئیں۔

وہ یہاں بہت خوش تھی۔ جلد ہی گھل مل گئی تھی۔ اس نے سمجھا دیا تھا لالہ رخ کو کہ امی، ابو سے جیل کی بات نہ کرے۔

"کیوں؟" اس نے اچنبھے سے انداز میں پوچھا۔

"سمجھا کریں۔ کچھ باتیں نہ بتلانے میں بہتری ہوتی ہے۔"

"اچھا!" اس نے سر جھکا لیا۔

اس نے رضا کو امی کا عندیہ بتایا تو اس نے جا کر گھونسا دے مارا۔

"میں تو امی کا بتا رہا تھا اپنا تھوڑی۔" وسیع نے برا سا منہ بنا کر شانہ سہلایا۔

"ویسے بھی تو تم نے منہ مانگا انعام دینے کا کہا تھا۔"

"ہاں ہاں لے لینا۔"

"اب تو آ کر امی سے بات کر۔ میں رضامندی دوں گا پھر شادی ہو گی۔"

وسیع شرارت سے ہنسا۔

روز روز کہنے کے باوجود پورے ایک ماہ بعد وسیع نے جہاں آرا سے رشتہ کی بات کی۔

"لڑکی کیسی ہے؟" انہوں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"اچھی ہے دکھا دوں گا۔"

"کب؟"

"جلد ہی آنٹی! دراصل وہ اپنے رشتہ داروں سے ملنے اسلام آباد گئی ہے۔"

دور کھڑے رضا کو دیکھ کر وہ شرارت سے ہنسا اور وہ دانت کچکچا کر رہ گیا۔

"کیا ضرورت تھی بکواس کی۔" رضا نے ایک گھونسا دے مارا۔

"آرام سے، آرام سے، بہت گھونسے مار لیے اب مارا تو دو مہینے بعد دکھاؤں گا۔" اس نے وارننگ دی اور رضا سٹپٹا کر رہ گیا۔

سب بہنیں اکٹھی ہو گئیں جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ۔ وسیع نے بالکل بہنوں کی طرح رخصت کیا تھا۔ رضا اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

وقت رخصت سب ہی آبدیدہ تھے۔ لالہ رخ سے سب کو ہی محبت ہو گئی تھی۔ اس کا اخلاق علات اطوار، سلیقہ سب ہی کچھ تو لاجواب تھا۔

"آنٹی! ایک دو دن میں امی ابو آئیں گے۔"

وہ شرارت سے جہاں آرا کے کان کے قریب جھکا۔ رضا کے کان کھڑے ہو گئے۔

"ہاں بیٹا! جم جم آئیں۔"

"ایک ضروری کام سے۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"کیا؟"

"جی۔ وہ۔ وہ۔ عا۔ ئشہ کے لیے۔"

رضا نے ایک دم سے اسے گلے لگا لیا۔

"تو یہ منہ مانگا انعام تھا۔" اس نے جھک کر سرگوشی کی۔ وسیع ہنس دیا۔

"اپنے یار کے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔"

رضا نے ایک بار پھر اسے سینے سے لگا لیا اور وسیع کن اکھیوں سے عائشہ کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

---

اس کا پورا بیڈ روم حجلۂ عروسی بن کر چمک رہا تھا۔ ہر شے خوشبوؤں میں نہائی ہوئی۔ چند ثانیے کے لیے رک کر کچھ سوچتا رہا اسے دیکھتا رہا۔ ڈھیر

سارے پھولوں میں جو بھی ایک پھول لگ رہی تھی اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔ دل ہی دل میں عہد لیے کے اُس کی جانب بڑھا تھا۔ اس کے سامنے ماضی کا کوئی لفظ نہیں دہرائے گا۔ ایک لفظ نہیں پوچھے گا۔

انجانے میں دیے ہوئے اس کے دکھ کو اُس نے بہت ہمت، حوصلے اور ثابت قدمی سے برداشت کیا تھا۔ جواب میں وہ اُسے اتنا چاہے گا اتنا چاہے گا۔ اتنی محبت دے گا کہ وہ اپنے تمام دکھوں کو بھول جائے گی۔

اُس نے بھی تو لالہ بن کر اس کی زندگی کا رُخ بدل دیا تھا۔

دھیرے سے اُس کے سامنے بیٹھ گیا گھونگھٹ ہٹا دیا، ہاتھ میں ڈائمنڈ کی انگوٹھی پہنا دی۔ اُس کے چہرے پر الوہی چمک، بے بہا نور تھا کہ رضا مبہوت ہو گیا۔

"کیا آپ میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں؟" وہ دھیرے سے سر جھکا کر گویا ہوئی۔ جانتی تھی وسیع نے اس کی زندگی کا یہ تاریک گوشہ چھپا لیا تھا۔ صرف اس کی خوشیوں کے لیے لیکن سچائی اُس کی فطرت تھی۔ اور فطرت سے بغاوت منظور نہ تھی۔ سارے خدشات بیان کر دینا چاہتی تھی۔ آنے والے دکھوں سے بچنے کے لیے۔ اَب کوئی دکھ مزید سہنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

"میں سب کچھ جانتا ہوں، تمہارا حال میرا ہے، میرا استقبل تمہارا، میں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا لیکن آج نہیں۔"

"پھر بھی۔ میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ۔"

"میں نے کہا ناں!" اُس کے شنگرفی ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ان خوبصورت لمحوں میں ماضی کی کوئی تلخ بات رقم نہیں ہو گی۔ یہ لمحے امر ہیں۔ اتنا خوبصورت ماحول، اتنی مدھر خوشبو، سجل لمحے، پورے چاند کی روشنی پھر کیوں ماضی کو کریدیں۔"

مزید بولنے کے تمام مواقع، تمام راستے بند کر دیے۔ لالہ نے دھیرے سے آنکھیں موند کر سکون بھرا سانس لیا۔ خدا نے اس کے دکھوں کے جواب میں کیا ۔۔۔ سکون۔ کتنی گھنی چھتر چھایا دی تھی۔

ایک بار پھر وہ اپنے خدا کا شکر بجا لائی۔ وہی سب سے بڑا نوازنے والا ہے۔

"ناشتا۔" وسیع کی بہنیں اور اس کی چاروں نندیں اندر آ گئیں۔ لالہ رخ ایک دم سے گھبرا گئی۔

"کیا ہوا؟" رضا نے اس کی گھبراہٹ نوٹ کر لی۔ ایک دم سے پوچھ بیٹھا۔

"وہ۔ وہ۔" اُس کی آنکھیں بھرا گئیں۔ وہ لوگ ناشتا میز پر لگا رہی تھیں۔

"بولو ناں۔"

"وہ۔ وہ میرا روزہ تھا۔ دراصل میں مستقل روزے رکھتی آ رہی ہوں۔ نفلی روزے بغیر سحری کے۔ تو آج بھی بے خیالی میں فجر کے وقت نیت کر لی تھی۔ دراصل عادت ہو گئی تھی۔"

"لالہ! گل لالہ!" رضا آبدیدہ ہو گیا۔ اس کا چوڑیوں، مہندی والا ہاتھ تھام کر مضبوطی کا احساس دلایا۔

"اب تم صرف فرض روزے رکھو گی صرف فرض۔ کیا سمجھیں۔"

"اور۔ اور اب۔" اس نے بے ساختہ خجل سی ہو کر پوچھا۔

"اب۔ اس وقت روزہ میں اپنے ہاتھوں سے افطار کروا دیتا ہوں۔" اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی پلیٹ سے گلاب جامن اٹھائی۔

"ل۔ لیکن۔ یہ گناہ ہو گا۔" وہ جھجک گئی۔

"ان خوبصورت لمحوں کے صدقے میں سارے گناہ ہمارے سر۔" اس نے گلاب جامن منہ میں ڈال دی۔

"ہے ہے۔ شیم شیم۔" سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس نے شرمندگی سے سرخ ہو کر جہاں آرا کے سینے میں منہ چھپا لیا۔

"سب چلتا ہے۔" رضا نے شرارت سے سب کو دیکھتے ہوئے باقی کی گلاب جامن اپنے منہ میں ڈال لی۔

کتنا سکون ارد گرد پھیل گیا تھا۔ رضا کو یقین ہو گیا کہ اُس کے گناہ اَب حقیقت میں بخشے گئے ہیں۔ اس نے چاہ سے لالہ رخ کو دیکھا اور خدا کا شکر بجا لایا۔